اردو کا کلاسیکی ادب
گلزارِ نسیم
پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی
مرتب
رشید حسن خاں
مجلس ترقی ادب ○ لاہور

مثنوی گلزار نسیم

مع مقدمہ و مختصر حالات

از جناب مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی

باہتمام

قطب الدین احمد پروپرائٹر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپی

دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء

مقدمہ

منشی دیاشنکر نسیم لکھنوی کشمیری پنڈت اور عہد شاہی میں فوج کی منصری پر سرفراز تھے جو اس عہد میں نہایت معزز عہدہ
خیال کیا جاتا تھا سخن پرستی کا دور دورہ تھا آتش و ناسخ کی شاعری کے سکے جاری تھے۔ وہ دونوں استادوں کے جان نثار و جولان
طبیعت تلامذہ وزیر، صبا، رند، خلیل وغیرہ کی طبع آزمائیاں چمنستان سخن میں گل کاریاں کر رہی تھیں۔ پنڈت جی
طبعی ذوق رکھتے تھے اور خواجہ آتش کے کہنہ مشق شاگردوں میں تھے۔ جملہ اصناف سخن میں بے تکلف جودت طبع کے جوہر
چمکاتے تھے لیکن اس جگہ شاعری کی دوسری صنفوں میں بحث کرنا منظور نہیں ہم صرف انکی مشہور و معروف تصنیف گلزار نسیم
کی نسبت کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

مثنوی گلزار نسیم امجد علی شاہ کے زمانہ میں تصنیف کیگئی سنہ تصنیف ۱۲۵۴ھ ہے اور مثنوی کے آخر میں پنڈت جی کی تصنیف کی
ہوئی تاریخ مرقوم ہے۔ ایں نامہ کہ خامہ کرد بنیاد + گلزار نسیم نام بنہاد + تشدید ز نوید لطف داور + تاریخ قبول روز ایشاں باد
اسمیں مطلق کلام نہیں کہ مثنوی اپنے رنگ میں لاجواب ہے اور میر حسن کی مثنوی کے بعد جو شہرت جو مقبولیت اس مثنوی کو
حاصل ہوئی وہ کسیکو نصیب نہیں ہوئی۔ اختصار کی بے مثل خوبی کے علاوہ صنائع و بدائع اور صنعت مراۃ النظیر نے بہت کو ذہن پیچ
سمجھا ہے لطف یہ کہ جتنی مرتبہ جسقدر غور سے پڑھا جائے ذائقہ سخن بڑھتا جاتا ہے اور جب فن اسکے دقائق اور نزاکت
ذہن تک پہنچتا ہے تو وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اس میں لطیف لطیف استعارے اور نازک خیالیوں کے نمونے
موجود ہیں جو اردو شاعری کی انتہائی ترقی کی خبر دیتے ہیں اگر اس امر کو مد نظر رکھتے ہوئے گلزار نسیم پر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو اسمیں
ترقی یافتہ شاعری کے بہت سے ارکان مکمل دکھائی دیتے ہیں اختصار پر تو اس مثنوی کی بنیاد ہی رکھی گئی ہے اور یہ التزام اول سے
آخر تک قائم ہے نازک خیالی اور جودت طبع کے نمونے بھی جا بجا جواہر ریزوں کیطرح ضو فشانی کر رہے ہیں۔ چونکہ اردو شاعری کی ابتدا
سے فارسی کی تتبع ہے اسلئے شعرا کی تصنیفات حمد و نعت سے شروع ہوتی ہیں اور یہ طریقہ مسلمانوں ہی میں رائج نہیں بلکہ اہل ہنود
بھی اس اصول کے پابند ہیں۔ پنڈت دیاشنکر نسیم نے بھی اپنی مثنوی میں ان امور کی پابندی کی ہے اور نہایت اختصار کیساتھ محض چار
بیتوں میں اس وسیع میدان کو طے کر گئے ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ نام کی رعایت سے بہاریہ مضامین کیساتھ تمہید و تمکید کو دست و گریباں کیا
ہے جو انکی شاعری اور قدرت سخن پر دال ہے۔ ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری + ثمرہ ہے قلم کا حمد باری + کرتا ہے یہ دو زبان سے یکسر
حمد حق و مدحت پیمبر + پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے + یعنی کہ مطیع پنجتن ہے + ختم اسپہ ہوئی سخن پرستی + کرتا ہے زبان کی پیش دستی +
چاروں بیتوں میں سلسلہ بیان تدارج خیالات تناسب لفظی لطف زبان، جذبہ تخیل، جدت ذہن، اور نزاکت فن کیساتھ
ساتھ صنائع و بدائع شعری کافی حد تک موجود ہیں۔

جھلک جگمگاتی دکھائی دے شعلا سے ۔ ہاتھ اُسپہ اگر پڑا نہیں ہے ۔ بو ہو کر تو گل اڑا نہیں ہے

خیالات کو تشبیہ و استعارات کی صورت میں بیان کرنا شاعری کی آخری منزل اور معراج کمال ہے اور یہ فخر گلزار نسیم کو کما حقہٗ حاصل ہے ۔ اسکے تمام مطالب اسی پیرایہ میں ادا ہوئے ہیں ۔ فراق و وصال کے مناظر جنکی بنیاد دیں محض جذبات و حسیات قلبیہ پر منحصر ہوتی ہیں صنائع و بدائع کے محتاج نہیں انکو جسقدر سادگی سے بیان کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے لیکن نسیم نے اپنا رنگ قائم رکھتے ہوئے معاملہ بندی میں بھی تناسب لفظی کو بدستور قائم رکھا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان موقعوں پر اسکے سحر طراز قلم نے پورا جادو کر دکھایا ہے ۔ ایک جگہ وصل کی تصویر اتارتے ہیں یوں نازک خیالی دکھائی ہے سے

کاوش پہ ہوا اگر سوا الماس ۔ شیشے نے بجھائی آگ کی پیاس ۔ پتھر ہجر کا دل گداز مرقع کھینچنے میں جو الفاظ اور خیالات صرف کئے ہیں انمیں مصوری کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے سے صورت میں خیال بکہ گئی وہ + صورت میں مثال رہ گئی وہ

جذبات رنج و غم اور غیظ و غضب کا منظر اس مثنوی (گلزار نسیم) کی جان ہے ، جب بکاؤلی کا پھول چوری گیا ہو اُسنے غصہ کی حالت میں لونڈیوں باندیوں اور باغ کے محافظوں کو عتاب آمیز عنوان سے مخاطب کیا ہے ۔ ایک ایسا نقشہ ہے جسمیں فطرت کی چلتی ہوئی تصویریں تصنع کے زیورات سے لدی پھندی دکھائی دیتی ہیں ۔ چونکہ جنکے نام چمن سے مناسبت رکھتے ہیں اسلئے تلازمہ کی دلکش شان پیدا ہو گئی ہے اور شاعر نے فصاحت و بلاغت کی [illegible] کرتے ہوئے زور بیان کی داد دی ہے سے

سنبل مرا تازیانہ لانا ۔ شمشاد اسے سولی پر چڑھانا
نرگس نے نگاہ بازیاں کیں ۔ سوسن نے زباں درازیاں کیں
پتا کبھی پتا کو جسنے پایا ۔ کہنے لگیں کیا ہوا خدایا
اپنوں میں سے پھول لے گیا کون ۔ بیگانہ تھا سبزہ کے سوا کون
شبنم کے سوا چرانے والا ۔ اوپر کا تھا کون آنیوالا
او باد صبا ہوا نہ بتلا ۔ خوشبو ہی سنگھا پتا بتلا
انگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد ۔ تھا دم بخود اسکی سنکے فریاد ۔

اس قسم کی مثالوں سے مثنوی کا دامن جابجا بھرا ہے ۔ ادائے مطالب کی جلوہ گری آپ اپنی نظیر ہے ۔ زبان کی عمدگی محاورات کی خوبی صنائع و بدائع اور محاسن شعری کی دلکش سلاست بیان اور فصاحت نظم چستی بندش حسن تخیل سبھی کچھ موجود ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ حسن فطری کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا گویا ابتدا سے انتہا تک آورد ہی آورد ہے ۔

پنڈت جی کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ ممکن تھا کہ وہ کوئی اور مثنوی لکھ کے اس کمی کو پورا کر دیتے ۔ انھوں نے اپنے استاد (آتش) کے سامنے سنہ [illegible]ھ میں انتقال کیا اور "گلزار نسیم" اپنی یادگار چھوڑی جو اردو زبان کی بقا و موجودگی تک سدا بہار بنی رہیگی ۔

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری
ثمرہ ہے قلم کا حمد باری

کرتا ہے یہ دو زبان سے یکسر
حمد حق و مدحت پیمبر

پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے
یعنی کہ مطیع پنجتن ہے

ختم اس پہ ہوئی سخن پرستی
کرتا ہے زبان کی پیش دستی

خواستگاری جناب باری سے مثنوی گلزار نسیم کی ترتیب کیواسطے

یارب مرے خامے کو زبان دے
منقار ہزار داستان دے

افسانہ گل بکاؤلی کا
افسون ہو بہار عاشقی کا

ہر چند سنا گیا ہے اس کو
اردو کی زبان میں سخن گو

وہ نثر ہے داد نظم دوں میں
اس مے کو دو آتشہ کروں میں

ہر چند اگلے جو اہل فن تھے
سلطان قلمرو سخن تھے

آگے ان کے فروغ پانا
سورج کو چراغ ہے دکھانا

پر بحر سخن سدا ہے باقی
دریا نہیں کار بند ساقی

لغزش سے زبان نکتہ چیں پہ روک
رکھ دے مری اہل خامہ میں نوک

خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر
تیر تک نسیم باغ کشمیر

نقطے ہوں سپید خوش بیانی
جدول ہو بہار سحر خوانی

جو نکتہ لکھوں کہیں نہ حرف آئے
ہرگز سخن مری ہو ہیچ بجا لائے

داستان تاج الملوک شاہزادہ اور زین الملوک بادشاہ مشرق کی

روداد زبان پاستانی
یوں نقل ہے خامے کی زبانی

پورب میں ایک تھا شہنشاہ
سلطان زین الملوک ذیجاہ

لشکر کش و تاجدار تھا وہ
دشمن کش و شہریار تھا وہ

تالیف سخن و سے تھے چار فرزند
دانا عاقل و ذکی خرد مند

نقشہ ایک اور نے جمایا
پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا

امید کے نخل نے دیا بار
خورشید حمل ہوا نمودار

وہ نور کے صدقے تھے مہر انور
وہ رُخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جس پر

نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو
چشمک تھی نصیب اُس پدر کو

خوش ہوتے ہی طفل مہ جبیں سے
ثابت یہ ہوا ستارہ بیں سے

پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اسی کو
پھر دیکھ نہ سکیگا کسی کو

نظروں سے گرا وہ طفل ابتر
مانند سرشک دیدۂ تر

پردے سے نہ دایہ نے نکالا
پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا

تھا افسر خسرواں وہ گلفام
پالا تاج الملوک رکھ نام

جب نام خدا جواں ہوا وہ
مانند نظر رواں ہوا وہ

آتا تھا شکار گاہ سے شاہ
نظارہ کیا پدر نے ناگاہ

صاد آنکھوں کی دیکھ کر پسر کی
بینائی کے چہرے پر نظر کی

پھر لب پہ شہ ہوئی خموشی
کی نور بصر سے چشم پوشی

دی آنکھ جو شہ نے رونمائی
چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی

ہر چند کہ پادشہ نے ٹالا
اُس ماہ کو شہر سے نکالا

گھر گھر یہی ذکر تھا یہی شور
خارج ہوا نور دیدۂ کور

آیا کوئی لے کے نسخۂ نور
لایا کوئی جا کے سرمۂ طور

تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور
بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور

ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے
مختار ہے جس طرح نباہے

جانا چاروں طرف شاہزادوں کا تجویز کحال تلاش گل بکاؤلی کو

پیار جو سفید چشم صفحا
یوں میل قلم نے سر سے کھینچا

تھا ایک کحال پیر دیریں
جیسے کی تھیں اُسنے آنکھیں دیکھیں

وہ مرد جہاندیدہ بہت کراہا
سلطان سے ملا کہا کہ شاہا

ہے باغ بکاؤلی میں اک گل | پلکوں سے اُسی پہ بار جھنگل
خورشید میں یہ ضیا کرن کی | ہو بھر گیا اُسی چمن کی
اُسنے تو گل ارم بتایا | لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا
شہزادے ہوئے وہ چاروں تیار | رخصت کیے شہ نے چار ناچار
شاہانہ چلے وہ لے کے ہمراہ | لشکر اسباب خیمے خرگاہ
وہ بادیہ گرد خانہ برباد | یعنی تاج الملوک ناشاد
میدان میں خاک اُڑا رہا تھا | دیکھا تو وہ لشکر آ رہا تھا
پوچھا تم لوگ کس کے خیل | جاتے ہو کدھر کو صورت سیل
بولا لشکر کا اک سپاہی | جاتی ہے ارم کو فوج شاہی
سلطان زین الملوک شہزور | دیدار پسر سے ہو گیا کور
منظور علاج روشنی ہے | مطلوب گل بکاؤلی ہے
گل کی جو خبر سنائی اسکو | گلشن کی ہوا سمائی اسکو
ہمرہ کسی لشکری کے ہو کر | قسمت پہ چلا وہ نیک اختر

ظاہر ہونا چاروں شاہزادوں کا چوسر کھیل کر دلبر بیسوا سے

نقطوں سے قلم کی چہرہ بازی | یوں لاتی ہے رنگ بدطرازی
یک چند بھٹکا کیا وہ انبوہ | صحرا صحرا و کوہ در کوہ
بلبل ہوئے سب ہزاری سے | گل کا نہ پتا لگا کسی سے
وارد ہوئے اک جگہ سر شام | فردوس تھا اُس مقام کا نام
اک نہر تھی شہر کے برابر | چھٹکے ستارے کہکشاں پر
اک باغ تھا نہر کے کنارے | جویاے گل اُسطرف تھا پیاسا
دلبر نام ایک بیسوا تھی | اُس ماہ کی وال دبا مہ وزر
دروازے سے اسکے فاصلے پر تھا | نقارہ پہ لو سوئے دلبر آیا
بجتا تو بجا نہ سنگ کے استخوان | نقارہ و چوب میں چلی چوٹ

دروازے پہ وہ لگی ہوئی تھی — آپ آن کے ٹھاٹ دیکھتی تھی
جس شخص کو مالدار پاتی — باہر سے اُسے لگا کے لاتی
بٹھلا کے جوئے کا ذکر اٹھا کر — چوسر میں وہ لوٹتی سراسر
جیت اسکی بھی ہاتھ جو کچھ آتا — اُسکا کوئی ہتھکنڈا نہ پاتا
بلی کا سر چراغدان تھا — چوہا پانسے کا پاسبان تھا
اُلٹاتی اڑی پہ قسمت آسا — بلی جو دیا تو نوش پانسا
جیتے ہوئے بندے تھے ہزاروں — قسمت نے پھنسائے یہ بھی چاروں
صیاد نی لائی پھانس کر صید — کرسی پہ بٹھا لئے نقش امید
گھاتیں ہوئی دلربائیوں کی — باتیں ہوئیں آشنائیوں کی
رنگ اسکا جما تو لا کے چوسر — کھیلی وہ کھلاڑ بازی بڑھ کر
وہ چھوٹ پہ تھی یہ میل بیٹھے — بازی چوسر کی کھیل بیٹھے
مغرور تھے مال و زر پہ کھیلے — سامان ہارے تو سر پہ کھیلے
بد بختی سے آخری جو آتا — بندا ہونا بدا ہوا تھا
دو ہاتھ میں چاروں اُسنے لوٹے — پنجے میں پھنسے تو کیسے چھوٹے
اک اک سے رات بھر نہ چھوٹا — پو پھٹتے ہی جگ انکا ٹوٹا
زندان کو سبھی مچل مچل کر — نردوں کی طرح پھرے نہ چلکر
لشکر میں سبھی جو گیا سوئے شہر — پانی سا بکھرا نہ جانب نہر

جیتنا تاج الملوک کا دلبر بیسوا کو اور چھوڑ کر روانہ ہونا تلاش گل بکاؤلی کا

لانا زر گل جو ہے ارم سے — یوں سمجھے پہ نقش ہے قلم سے
جاتا بیک زوال کا گزر کر — پہنچے تاج الملوک ابتر
پایا جو سفید ہوا کہ یا الٰہی — لشکر پہ پڑ گئی بڑی تباہی
تھا ایک محل تو سیدھے چلکر — گذرا در باغ بیسوا پر
وہ مرد خستہ دل شکستہ پایہ — نکلی اندر سے ایک دایہ

لڑکا کوئی کھو گیا تھا اُسکا
بولی وہ کہ نام کیا ہے تیرا
بولا وہ کہ نام تو نہیں یاد
لیکن یہ میں جانتا ہوں دلگیر
بیٹا وہ سمجھ کے جی سے اُسکو
جاتے تھے اُدھر سے دو جواری
کہتے تھے قریب دو کے کیا تم
ذکر اپنے برادروں کا سنکر
کون ایسی کھلاڑ بیسوا ہے
بولی وہ کہ ہاں جوا ہے بدکام
بلی پہ چراغ رکھ کے شب کو
پانسے کی ہر کل چراغ کے ساتھ
شہزادے کہیں کے تھے بد اقبال
بھائی تھے جوش خون کہاں جائے
پانسے کا چراغ کا اُلٹ پھیر
سوچا وہ کہ اُٹھو ہم ہیں آگاہ
اک بلی جو بیٹھی چوہے کو بھانپ
سمجھا وہ کہ ہے شگون نرالا
چوہا ہی سے سیکھنے کو یکسر
اک روز اُسے ملگیا امیر ایک
اشراف سمجھ کے لے گیا گھر
اُس سنگ کے جو ہاتھ میں زر آیا
ملتی تھی کھلاڑ ڈنکے کی چوٹ

ہمشکل یہ مہ لقا تھا اُسکا
فرزند اسی شکل کا تھا میرا
طفلی میں ہوا ہوں خانہ برباد
مادر تھی مری بھی ایسی ہی پیر
گھر لائی ہنسی خوشی سے اُسکو
اک آس کی کر رہا تھا خواری
شہزادے نہ ہم نہ بیسوا تم
بولا وہ عزیز سن تو مادر
شہزادوں کو جسنے سحر کیا ہے
دلبر اک بیسوا ہے خود کام
چوسر میں وہ لوٹتی ہے سب کو
وہ بلی کے سر پہ چوہے کے ہاتھ
بندے ہوئے ہار کر زر و مال
صدمہ ہوا درد سے کہا ہائے
سوچا نہ اُنہوں یہ دیکھو اندھیر
جیتے ہیں تو جیت لینگے ناگاہ
نیولے نے بھگا دیا دکھا سانپ
نیولا پکڑ آستین میں پالا
گھوما وہ برنگ زرد گھر گھر
وہ صاحب جاہ دل سے تھا نیک
بخشا اُسے اسپ و جامہ و زر
جانبازی کو سوئے دلبر آیا
نقارہ و چوب میں پڑی چوٹ

آواز وہ سن کے در پہ آئی
ہمراہ اُسے لیکے اندر آئی

کام اُسکا تھا بسکہ کھیل کھلانا
چوسر کا جما وہ کارخانہ

وہ چشم و چراغ بیسوا کے
گربے لگے تاک جھانک آکے

نیولا وہ کہ مارِ آستیں تھا
چٹکی کے بجانے ہی وہیں تھا

بلی تو چراغ پا تھی خاموش
دل ہوگیا موش کو فراموش

ہنس ہنس کے حریف نے رُلایا
مانند چراغ اُسے جلایا

بارے بہ ہزار بد دماغی
کی خضر نے غول سے چراغی؟

پانسے سے چلی نہ جعل سازی
اُجڑی وہ بسا بسا کے بازی

سب ہار کے نقد و جنس ہارے
جیتے ہوے بنے بد کے ہارے

دنیا و جو کچھ تھی جب گنوائی
تب خود وہ کھلاڑ مُہرے آئی

پھر پانسے نے کی نہ پاسداری
ہمت کی طرح وہ دل سے ہاری

پانسے کی بدی سے آشکارا
راجہ نل سلطنت سے ہارا

دانا کرے کب اسطرف میل
ہارا ہے جو اسکے نام سے بیل

ہارے دیکھا جو بیسوا نے
بندہ کیا غیر کا خدا نے

سوچی کہ نہ اب کی چال رہیئے
شادی کا مزہ نہ بیکل رہیئے

بولی بہ ہزار عجز و زاری
تم جیتے میاں میں جیسے ہاری

لونڈی ہوں نہیں عدول مجکو
خدمت میں کرو قبول مجکو

بولا وہ کہ سن یہ پیشہ چھوڑ
نقارۂ در کو چوب سے توڑ

یہ مال یہ زر یہ جیتے بندے
لو تم انہیں رکھو بجنس جتنے

بالفعل ارم کو جاتے ہیں ہم
انشاءاللہ پھر آتے ہیں ہم

بولی وہ سنو تو بندہ پرور
گلزار ارم ہے پریوں کا گھر

انسان دیو پری کا سامنا کیا
مٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا

شہزادہ ہنسا کہا کہ دلبر
یہ گھر بات نہیں جو رکھیے دل پر

انسان کی عقل اگر نہ ہو گم ہو چشم پری میں جا ہے مردم
یہ کہہ کے اُٹھا کہ لو جان جاتے ہیں کہا خدا نگہبان
دولت تھی اگرچہ اختیاری پا مردی سے اسپ لات ماری
جز جیب نہ مال پر پڑا ہاتھ جز سایہ نہ کوئی بھی لیا ساتھ
درویش تھا بندۂ خدا وہ اللہ کے نام پر چلا وہ

پہونچنا تاج الملوک کا سرنگ کھدوا کر باغ بکاؤلی میں اور گل لیکر پھرنا

کرتا ہے جو طے سواد نامہ یوں حرف ہیں نقش پائے خامہ
وہ دامن دشت شوق کا خار یعنے تاج الملوک دل زار
اک جنگلے میں جا پڑا جہاں گرد صحرائے عدم بھی تھا جہاں گرد
سائے کو پتا نہ تھا شجر کا عنقا تھا نام جانور کا
مرغان ہوا کے ہوش راہی نقش کف پا تھی ریگ ماہی
وہ دشت کہ جس میں ریگ و دد یا ریگ رواں تھی یا وہ رہرو
ڈانڈا اکھتا ارم کے بادشا کا اک دیو تھا پاسبان بلا کی
دانت اُسکے گورکن قضا کے دو سینگ تھے وہ عدم کے ناکے
سر پر پایا بلا کو اُس نے تسلیم کیا قضا کو اُس نے
بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک فاقوں سے رہا تھا پھانک کر خاک
بے ریشہ یہ طفل نوجواں تھا حلوا بے دود بے گماں تھا
بولا کہ چکھوں گا میں یہ انساں اللہ اللہ شکر احساں
شہزادہ کہ منھ میں تھا اجل کے اندیشے سے رہ گیا دہل کے
چل مارنے کی ہوئی جو دیری سبحان اللہ شان تیری
اُشتر کئی جا لیے کے اُدھر سے پُر آرد و روغن و شکر سے
وہ دیو لپک کے مار لایا سودائے ہوس شکار لایا
اونٹوں کی جو لو تھیں دھا لایا دم اُس کا نہ اُس گھڑی سمایا

پورا سکے وہیں وہ باربردوش بیٹھا تو گرا اگر تو بیہوش
چاہا اُس نے کہ مار ڈالو یا بھاگ سکو تو راستہ لو
وہ اونٹ تھے کارروانیوں کے سب ٹھاٹھ تھے مٹھائیوں کے
میدا بھی شکر بھی گھی بھی پایا خاطر میں یہ اُس بشر کے آیا
بیٹھا اس دیو کو کھلاؤ گرتے جو مرے تو نہ ہرگیوں دو
حلوے کی پکا کے اک کڑاہی شیرینی دیو کو چڑھائی
ہر چند کہ تھا وہ دیو کڑوا حلوے سے کیا قسم اسکا میٹھا
کہنے لگا کیا مزا ہے دلخواہ اے آدمی زاد واہ وا واہ
چیز اچھی کھلائی تو نے مجھکو کیا اسکی عوض میں دوں میں تجھکو
بولا وہ کہ پہلے قول دیجے پھر میں جو کہوں قبول کیجے
وہ ہاتھ پر اُسکے مار کر ہاتھ بولا کہ ہے قول جان کے ساتھ
بولا وہ کہ قول اگر یہی ہے بد عہدی کی کچھ نہیں سبیل ہے
گلزار ارم کی ہے تجھے دُھن بولا کہ ارے بشر وہ گلبن
خورشید کے ہم نظر نہیں ہے اندیشے کا واں گذر نہیں ہے
واں موج ہوا ہوا پہ اژدر واں ریگ زمیں زمیں پہ اخگر
ہوتا نہ جو قول کا سہارا بچتا نہ کہیں تو اے بشر یارا
رہ جا مرا بھائی ایک ہی اور شاید کچھ اُس سے بن پڑے طور
اک ٹھیکرے پر کیا بُلایا وہ مثل صدا کے کوہ آیا
حال اُس سے کہا کہ قول ہارا ہے بیسر یہ نوجوان ہمارا
مشتاق ارم کی سیر کا ہے کوشش کرو کام خیر کا ہے
حمّالہ نام دیونی ایک چھوٹی بہن اُسکی تھی بڑی نیک
خط اسکو لکھا بایں عبارت اے خواہر مہربان سلامت
پیارا یہ مرا ہے آدمی زاد رکھیو اسے جس طرح مری یاد

انسان ہر جا ہے کچھ جو سازش
خط لے کے بشر کو سے لے اڑا دیو
بھائی کا جو خط بہن نے پایا
اُس دیونی پاس اک حسین تھی
محمودہ نام دُخت آدم
جوڑا ہمجنس با کشیمہ آیا
دن بھر تو الگ تھلگ ہی رہتے وہ
تھے ضبط و حیا کے امتحان میں
آپس میں کھلے نہ شرم سے وہ
بولا وہ فسردہ دل سحرگاہ
بولی وہ کہ ہونے کو ہوا ہے
بولا وہ کبھی تو چاہتا ہوں
پیراہن گل کی بو بھی مطلوب
ادل کبھی بد لگا ہی اپنی
کھولی تھی زبان منہ اندھیرے
پوچھا جمالہ نے مہرجان
بولی وہ کہ کہتے آتی ہے شرم
ناکامی سے جب وہ طور بھی
پوچھا کہ بتا تو روگ کیا ہے
بولی وہ کہ ہے تو درد لیکن
وہ بولی جو تو کہے زباں سے
چھپے کو چھپا کے زیر چادر
باپ اسکا ہو اندھے پن کو بھولی

مہمان ہے کیجو نوازش،
پہونچا جمالہ پاس لے کے دیو
بھیجے ہوئے کو گلے لگایا
زنبور کے گھر میں انگبیں تھی
سے لے آئی تھی دیکھ دیونی دم
محمودہ سے گلے لگایا
دو وقت سے شام کو ملے وہ
پردہ زباں ماہ میں کتاں میں
خاطر کی طرح گرہ رہے وہ
کیا سرد ہوا ہے واہ وا واہ
جو غنچے کو گل کرے صبا ہر
گل پاؤں تو میں ابھی ہوا ہوں
یوسف نے کہا وہ حال یعقوب
بعد اُسکے وہ سب تباہی اپنی
کہتے سنتے اُٹھے سویرے
ہمجنس ملا نکالے ارمان
دل سرد رہا بغل ہوئی گرم
وہم اُسکو ہوا کچھ اور بھی
دنیا میں ہے کہ درد کی دوا ہے
تم چاہو تو ہے دوا بھی ممکن
تارے تو اتار دوں آسماں سے
محمودہ نے کہا کہ مادر
مطلوب بکاؤلی کا ہے پھول

ل داغ اسکا برا ہے گل سے — نرگس کے لیے ہوا سے گل ہو
ساعی تھی بدل پہ کہنے والی — راہ اسنے سرنگ کی نکالی
دیوؤں سے کہا کہ جلد پہنچاؤ — تا باغ ارم سرنگ پہنچاؤ
سن حاجت نقب بہر گلگشت — کرتا چوہوں نے دامن دشت
پوشیدہ زمیں نے دل میں کی راہ — جد بانندہ نے خوش کیا سے اسی راہ
جب بھر تہ زمیں سے سما یا — اس نقب کی راہ وہ آدم آیا
صحن چمن ارم میں اک جا — بوٹا سا تہ زمیں سے نکلا
کھٹکا جو لگا ہوا نوں کا کھٹ — دھڑکا یہی دل کا کہہ رہا تھا
گوشے میں کوئی لگا نہ ہووے — خوشہ کوئی تاکتا نہ ہووے
گو باغ کے پاسبان غضب تھے — خوابیدہ بہ رنگ سبزہ سب تھے
نرگس کی کھلی نہ آنکھ یک چند — سوسن کی زبان خدا نے کی بند
خوش قد وہ چلا گل و سمن میں — شمشاد رواں ہوا چمن میں
ایوان بکاؤلی جدھر تھا — حوض آئینہ وار ام و در تھا
رکھتا تھا وہ آب سے سوا تاب — چندے خورشید و چندے مہتاب
پھول اسکا اندھے کی دوا تھا — رشک جام جہاں نما تھا
پانی کے جو بلبلوں میں تھا گل — پہونچا لب حوض سے نہ جنگل
پوشاک اتار اتر کے لایا — بھولا نہ وہ جا سے میں سما یا
گل لے کے بڑھا ایاغ بر کف — چوری سے چلا چراغ بر کف
بارہ دری واں جو سونے کی تھی — سو خواب گہ بکاؤلی تھی
گول اسکے ستون تھے بیاعد حور — چلمن مژگان چشم مخمور
دکھلاتا تھا وہ مکان جادو — محراب سے در سے چشم و ابرو
پردہ جو حجاب سا اٹھایا — آرام میں اس پری کو پایا
بند اسکی وہ چشم نرگسی تھی — چھاتی پہ کچھ کھلی ہوئی تھی

سمٹی تھی جو محرم اُس قمر کی — بُرجوں پہ ہے چاندنی سحر کی
لپٹے تھے جو بال کروٹوں میں — بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں
چاہا کہ بلا سے لگا وے — سوتے ہوئے فتنے کو جگاوے
سوچا کہ یہ زلف کف میں لینی — ہے سانپ کے منہ میں انگلی دینی
یہ پھول انھیں اژدہا کا ہے من — یہ کالے چراغ کے ہیں دشمن
گل چین کے ہنسی نہ ہووے بالکل — خندہ نہ ہو برق حاصل گل
پھر سمجھیں گے ہے جو زندگانی — کچھ نام کو رکھ چلو نشانی
انگشتری اپنی اُس سے بدلی — مہر خط عاشقی سند لی
آہستہ پھرا وہ سرو بالا — سایہ بھی نہ اُس پری پہ ڈالا
ہیبت سا زمیں کے دل میں آیا — اندیشے کی طرح سے سمایا
جب نقب افق سے مہر تاباں — نکلا تو وہ ماہ دشت تاباں
گل ہاتھ میں مثل دست بیضا — اُس نقب کی آستیں سے نکلا
وہ دیو پری اور وہ دخت انساں — دونوں تھیں اسی کی منتظر واں
گل لے کے جب آیا وہ گلچیں — اُس نقب کی رخنہ بندیاں کیں

آوارہ ہونا بکاولی کا تاج الملوک گلچیں کی تلاش میں

گل کا جو الم چمن چمن ہے — بلبل خامہ نعرہ زن ہے
گلچیں نے وہ پھول جب اُڑایا — اور غنچہ صبح کھلکھلایا
وہ سبزۂ باغ خواب آرام — یعنی وہ بکاولی گل اندام
جاگی مرغ سحر کے غل سے — اُٹھی نکہت سے فرش گل سے
منہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی — پُر آب وہ چشم حوض پائی
دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے — کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل — جھنجھلائی کہ کون دے گیا جل
ہے ہے مرا پھول لے گیا کون — ہے ہے مجھے خار دے گیا کون

جسنے مجھے ہاتھ سے لگایا   وہ ہاتھ سے لگے کہیں خدایا
عریاں جسے دیکھ کر گیا ہے   کھال اسکی جو کھینچئے سزا ہے
یہ کہہ کے جنوں میں ہو غضبناک   خوں روئی لباس کو کیا چاک
گل کا سا لہو بھرا گریباں   سبزے کا سا تار تار داماں
دکھلا کے کہا سمن پری کو   اب چین کہاں بکاؤلی کو
تھی بسکہ غبار سے بھری وہ   آندھی سی اٹھی ہوا ہوئی وہ
کہتی تھی پری کہ اڑکے جاتی   گلچیں کا کہیں پتا لگاتی
ہر باغ میں پھولتی پھری وہ   ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ
جس تختے میں مثل باد جاتی   اس رنگ سے گل کی بو نہ پاتی
بے وقت کسیکو کچھ ملا ہے   پیتا کہیں حکم بن ہلا ہے

پہونچنا تاج الملوک کا ایک اندھے فقیر کے تکیہ پر اور آزمانا گل کا

پھرنا جو وطن کا مدعا ہے   اب صفحہ پہ یوں قلم پھرا ہے
وہ گلشن مدعا کا گلچیں   یعنی تاج الملوک غمگیں
جسوقت وہ گل چمن سے لایا   محمودہ خوش ہوئی کہ آیا
کہنے لگی لو مراد پائی   بولا وہ جو یاں سے ہو رہائی
گل کی وہ غرض کر آشکارا   جو بن کی طرح اسے ابھارا
جب دیو سیاہ شب سے مہتاب   رخصت ہوا جیسے چشم سے خواب
اور گل لیے آفتاب تاباں   ہنگام سحر ہوا شتاباں
وہ مہر وش اور وہ ماہ پیکر   اُس دیو کی پاس آئی مضطر
گل کی وہ غرض جتائی اُسکو   رخصت کی طلب سنائی اُسکو
کیا کہتی وہ دیو نی کہا جاؤ   دیووں سے کہا کہ تخت لے آؤ
دو بال دیے کہ لو مری لاگ   جب وقت پڑے دکھائیو آگ
دیو اُن کو سر پر بٹھا کے   پرواز کناں ہوا یہ جا کے

ڈینگ آپ کی سب فضول ہے یہ — وہ گل یہ نہیں وہ پھول ہے یہ
یہ کہہ کے جو جیب سے نکالا — اُن منت بروں نے ہاتھ ڈالا
قوت میں وہ چار تھے یہ بیکس — شورش میں وہ چار موج یہ خس
غولوں نے بزور پھول اُڑایا — اُس خضر کو راستہ بتایا
گل پانے سے بسکہ سرخرو تھے — گھوڑوں پہ ہوا کے شکل بو تھے
تعجیل سے رو براہ آئے — گل لے کے حضور شاہ آئے
گل لائے جو نور دیدہ دلخواہ — آنکھوں کی طرح پھڑک گیا شاہ
نیچے سے پلک کے پھول اُٹھایا — اندھے نے گل آنکھوں سے لگایا
نور آ گیا چشم آرزو میں — آیا پھر آب رفتہ جو میں
خورشید بصر گہن سے چھوٹا — خیرات سے در کا قفل ٹوٹا
دولت جو پاس تھی لٹائی — زر بخشا گل کی رونمائی
ایک ایک کو اسقدر دیا زر — محتاج و گدا ہوئے توانگر
سجوائے طرب کے کارخانے — بجوائے خوشی کے شادیانے

پہنچنا بکاؤلی کا دار الخلافت زین الملوک میں اور وزیر ہو کر تاج الملوک کی تلاش میں رہنا

گلچیں کا جواب پتا ملا ہے — یوں شاخ قلم سے گل کھلا ہے
وہ باد چمن خراماں — یعنی وہ بکاؤلی پریشاں
گلشن سے جو خاک اُڑاتی آئی — اُس شہر میں آہ لے کے آئی
دیکھا تو خوشی کے چہچہے تھے — گلچیں کے شگوفے کھل رہے تھے
گلبانگ زناں تھا جو جہاں تھا — ایک ایک ہزار داستاں تھا
پاتے ہی پتا خوشی سے پھولی — شاد ایسی ہوئی کہ رنج بھولی
جادو سے بنی وہ آدمی زاد — انسانوں میں آ ملی پریزاد
سلطان کی سواری آ رہی تھی — صورت جو نگاہ کی پری تھی
پوچھا اسے آدم پری زاد — انساں ہے پری ہے کون ہے تو

کیا نام ہے اور وطن کدھر ہے ہے کون سا گل چمن کدھر ہے
دی اسنے دعا کہا بصد سوز فرخ ہوں تہا ہیں ابن فیروز
گل ہوں تو کوئی چمن بتاؤں غربت زدہ کیا وطن بتاؤں
گھر بار سے کیا فقیر کو کام کیا لیجئے چھوڑے گاؤں کا نام
پوچھا کہ سبب کہا کہ قسمت پوچھا کہ طلب کہا قناعت
باتوں پہ فدا ہوا شہنشاہ لایا بصد امتیاز ہمراہ
چہرے سے امیرزادہ پایا گھر لا کے وزیر اسے بنایا
نذریں لیے بندگان درگاہ دستور سے آ ملے بصد جاہ
دربار میں چاروں شاہزادے دیکھے تو کھلے وہ دل کے سادے
چاہا کہ لیجیے کا امتحاں لے پوچھا کہ نگیں جو لے کہاں سے
بتلانے لگے وہ چاروں ناداں کوئی یمن اور کوئی بدخشاں
جانا کہ جو گل یہ لائے ہوتے خاتم کے نگیں بنائے ہوتے
تجویز میں کہا یہ صاحب فکر آیا تاج الملوک کا ذکر
نقش اسکو ہوا کہ بس وہی ہے ان سادہ دلوں نے کندہ کب ہوئی ہے
ظاہر نہ کیا بطون اپنا طالع سے لیا شگون اپنا
منزل کہ رہرواں بنا کے شام و سحر اسمیں آپ آ کے
رہرو کو دیا بتلطف و اکرام آ کے آرام جانے پیغام
آباد ہوا تاج الملوک کا گلشن نگارین بنوا کے اور شہرہ ہوتا
تعمیر مکاں سے ہیں جو آثار یوں خامہ سے ہے بیت سیار
شہزادہ کہ عازم وطن تھا گل پانے سے خوش جیسے چمن تھا
اندیشے کو کیا جب اسنے بیٹا اور وا غنچوں سے وہ پھول چھینا
سوچا کہ خوشی سے سندا کی غم گھٹا کر حمالہ دیوی کو بلوا کر
نقل ارم اک مکان بنا کے رکھوں پریوں کو اپنی لا کے

بال آگ پہ رکھتے آندھی آئی   وہ دیونی بال باندھی آئی

تنہا اسے دیکھ کر کہا ہیں   محمودہ کیا ہوئی کہاں ہیں

دریا پہ ہوں ان کو چھوڑ آیا   مسکن کے لیے تمہیں بلایا

لیکن وہ مکان وہ حوض وہ باغ   جو باغ بکاؤلی کو دے داغ

حمالہ نے دیووں کو کیا یاد   آئے تو کہا یہ بن ہو آباد

ویرانے کو گل زمیں بناؤ   گلزار ارم یہیں بساؤ

صناع طلسم کار تھے وہ   گلشن کے لیے بہار تھے وہ

دیووں نے اُدھر محل بنایا   کشتی سے وہ دخت رز کو لایا

حمالہ اس کی مادر پیر   محمودہ سے ہوئی بغلگیر

کچھ دیووں کو چھوڑ کر وہ ہیں پر   رخصت ہو کر چلی گئی گھر

گلشن میں سمن بروں کو لایا   نسرین بدنوں سے گھر بسایا

دونوں کو محل میں لا کے رکھا   پھل نخل ہوا وصلت کا چکھا

دیووں کو کہا کہ بہر تسکیں   آباد ہو گلشن رنگا رنگیں

وہ لو آدمی بشکلے بن میں آئے   آتے جاتے کو گھیر لائے

جو سن کے خبر گیا اُدھر کو   جنت سے وہ گھر کھیر آتا گھر کو

ازبسکہ قریب شہر تھا باغ   خورشید افق نظر پڑا باغ

مفلس زردار امیر قلاش   نوکر تاجر فقیر خوش باش

گھر چھوڑ کے چل بسے سب انسان   گلشن میں بس آ گئے صفوت جان

ملاقات ٹھہرنی زین الملوک اور تاج الملوک کی آپس میں

گلشن جو بنا جواہر آگیں   یوں صفحہ قلم سے ہے نگاریں

ساعد نام ایک مہ لقا تھا   وزیر کا غلام باوفا تھا

صحرا سے کچھ سیر کر کے آیا   لکڑی کا چکلا کے بوجھ لایا

دلوائے ہر ایک کو بے لاقوت   الماس و عقیق و لعل و یاقوت

تھی بسکہ وہ جا خلاصۂ دہر / کچھ ٹھہرے پھر آئے جانب شہر

کف میں وہ لعل بے بہا تھے / سن پاتے ہی لوگ اژدہا سے

شحنے نے لُٹا پکڑ بلایا / لے کر اظہار ساتھ آیا

دیکھا تو وہ جلوہ گاہ اُمید / اک دائرہ تھا برنگ خورشید

دروازے پہ دیوؤں کا تھا پہرا / بھجوا کے خبر وہ شحنہ ٹھہرا

جب واں سے طلب ہوا تو دربان / لائے اُسے پیشگاہ سلطان

آداب کیا ادب سے ٹھہرا / ہیبت زدہ دور سے ٹھہرا

اُن لوگوں کو لے گیا تھا ہمراہ / معروض کیا کہ یا شہنشاہ

کم مایہ یہ لوگ ہیں بظاہر / چوری کے تو یہ نہیں جواہر

ساعد نے کہا کہ ہے یہ حاسد / نیت ہوئی ہوگی اسکی فاسد

حضرت سا یہ وہی تو ہیں تبردار / جا لینے نہ پولیوے خبردار

پھر کر اُنھیں پاؤں شحنہ بے آس / آیا زین الملوک کے پاس

کی عرض کہ باغ اک بنا ہے / یہ شہر اجڑا ہے وہ بسا ہے

جو کوئی سے اُس جگہ پہ جاتا / ڈھیروں سے جواہرات پاتا

حضرت نے کہا کہ بے نہ خیرہ / قارون کا وہیں ہو گیا ذخیرہ

فرخ کہ وزیر با خرد تھا / سلطان کا مشیر نیک و بد تھا

بولا کہ شہا یہ بات کیا ہے / نیرنگ و فسوں کا گھر بڑا ہے

ہر چند کہ طرفہ حال ہے یہ / کچھ دور نہیں مثال ہے یہ

حکایت ایک عورت کے مرد بنجانے کی دیو کے جادو سے

اک ملک میں ایک صاحب فوج / رکھتا تھا محل میں بادر زوج

تھا داغ پسر سے درد اس کو / جتنی تھی ہمیشہ دختر اُسکو

از بسکہ وہ شاہ تھا بداختر / کرتا تھا حسد سے قتل دختر

اک بار محل میں پھر حمل تھا / وہ شاہ کہ ظلم میں مثل تھا

ہوا بیٹھا قسم کہ اب کی باری — بیٹا جو نہ دے جناب باری
اقبال کا کچھ نہ جانیے اوج — کر ڈالیے ذبح دختر و زوج
کنیاں تھی غرض کہ رانیں اسکی — پوری نہ ہوئی وہ آس اُسکی
سلطاں کا جو عہد بے محل تھا — گھر والوں کو خوف کا محل تھا
ملحوظ بدل تھا پردۂ راز — سیارہ شناسوں سے کیا ساز
ہر چند ستارہ ماں کا تھا ماند — تھی چاندنی شہرہ کر دیا چاند
پھر اہل نجوم محرم راز — بانو کے نمک سے ہو گئے دمساز
بیٹے کا وہ زائچہ بنا کے — گویا ہوئے دست بستہ آ کے
حضرت یہ پسر ہے نیک اختر — بد بین مگر ہے ایک اختر
جبتک نہ چلے یہ اپنے پاؤں — حضرت نہ پسر کے سامنے ہوں
حیلہ کر کے چھپا لی یک چند — بیتاب ہوا جب آرزومند
وہ گندم جو نما تھی بالی — مردانہ لباس سے نکالی
خوش ہو کے پدر نے بہر شادی — ٹھہرائی کہیں کی شاہزادی
بن ٹھن کے عروس شکل داماد — شادی کو چلی بجان ناشاد
اک شب کسی دشت میں تھے ڈیرے — اور روز نکاح تھا سویرے
خیمے سے وہ بیقرار نکلی — اُس پھانسے سے مثل خار نکلی
دیکھا تو اندھیری رات سنسان — اک عالم ہو ہے اور بیاباں
اک دیو وہاں پہ گشت میں تھا — جو پاسے شکار دشت میں تھا
دیکھا تو کہا خضر سے آؤ — منہ کھولو عدم کی راہ بتلاؤ
بولا وہ کہ سن تو آدمی زاد — کیوں تنگ ہے جی سے کیا ہے بیداد
اے مرد خدا خدا کی سوگند — کہہ جس لیے ہو تو آرزومند
بولی وہ کہ یہ خیال ہے خام — خنجر کا ہو گیا تمام سے کام
کھل کر کھلے بندوں حیا کی نکلی — سینے تنگ ہوئی وہ شوخ نکلی

آنکھیں جھپکا کے دیو بولا — تو کیا کھلی پردہ تو نے کھولا

خاطر تیری سے طلسم دکھلاؤں — تو مجھ سی سنے میں تجھ سا بن جاؤں

موند آنکھ کہا تو موند لی آنکھ — کھول آنکھ کہا تو کھول دی آنکھ

پایا مردانگی کے پرتو — دامن میں سے دی چراغ نے لو

تھالی میں یہاں اُگا صنوبر — واں شیشہ رہا ترش کے ساغر

اب یاں سے ہو قصہ مختصر طول — فرخ کہ وہ تھا وزیر معقول

بولا کہ سمجھا جو یہ ہوا ہے — اس بات کا پھر وجود کیا ہے

شہ نے کہا سن وزیر دانا — بے دیکھے سنے کو کیسے مانا

یاد آ گئی مجھے بھی اک روایت — یہ کہہ کے بیان کی حکایت

حکایت نصیحتگری مرغ اسیر اور نافہمی صیاد کی

اک مرغ ہوا اسیر صیاد — دانا تھا وہ طائر چمن زاد

بولا جب اس نے باندھے بازو — کھلتا نہیں کس طمع پہ ہے تو

بیچا تو ٹکے کا جانور ہوں — گر ذبح کیا تو مشت پر ہوں

پالا تو مفارقت ہے انجام — دانا ہو تو مجھ سے لے مرے دام

بازو میں نہ تو مرے گرہ باندھ — سمجھاؤں جو پند اس سے گرہ باندھ

سن کوئی ہزار بار سناوے — کیجے وہی جو سمجھ میں آوے

قابو ہو تو کیجیے نہ غفلت — عاجز ہو تو ہاریے نہ ہمت

آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے — جاتا ہو تو اس کا غم نہ کیجے

طائر کے یہ سن کلام صیاد — بن دام ہوا غلام صیاد

بازو کے جو بند کھول ڈالے — طائر نے تڑپ کے پر نکالے

اک شاخ پہ جا چہک کے بولا — کیوں پھر گیا سمجھ کے کھولا

ہمت نے مری مجھے اڑایا — غفلت نے تری تجھے چھڑایا

دولت نہ نصیب میں تھی تیرے — تھا لعل نہاں شکم میں میرے

دے کر صیاد نے دلاسا
بولا وہ کہ دیکھ کر گیا جل
ارباب غرض کی بات سن کر
فرخ یہ وہی مثل نہ ہوئے
مشتاق تو تھا چلا وہ دستور
نقشے ہیں وہ گلشن نگارین
حیرت تھی کہ یہ طلسم کیا ہے
اس سوچ میں تخت گہ تک آیا
آداب اک کر کے حسب دستور
سمجھا کہ حسین آدمی ہے
پوچھا کہ کدھر سے آئے کیا نام
انسان ہوں بندۂ خدا ہوں
گستاخی معاف آپ آئے
ہو گا کہ ایسا کہ مردم شہر
دعوے یہ ہو یاں نہیں داہی
خیر اب بھی یہ فتح شہر جو چاہو
بولا کہ وہ فتنہ گر تو ہیں ہم
درویش ہیں دل کے بادشاہ ہیں
دستور کہ عرض کر چکا تھا
بولا چلو صلح درمیاں ہو
بولا وہ قیصر کی بلا جانے
بولا وہ کہ خنجر تا بہ فردا
یہ کہہ کے پھرا وزیر آیا

خط کی نہ ہوا امید واری
القصہ ہے قلم کی دوستداری

لکھ کے کہا سمن پری کو
چالاک ہے تو ہی قاصدی کو

یہ خط یہ انگوٹھی لے ابھی جا
پورب کی سمت کو چلی جا

رستے میں ہے گلشن نگاریں
رہتا ہے وہیں مراد وہ گلچیں

خاتم کے نشاں سے نامہ دیکھو
ٹھہری رہیو جواب لیجو

خط خاتم لے کے وہ ہوا لی
پتا ہوئی اور تبھی یہ آئی

وہ باغ کہ تھا جواہر آگیں
ثابت ہوا گلشن نگاریں

وہ آدم حور رشک پریرو
یعنی تاج الملوک خوش خو

گلگشت میں تھا کسی روش پر
محمود وہ دائیں بائیں دلبر

قاصد نے جو رخ پری دکھایا
دھیان اس کو بکاؤلی کا آیا

پہچانتے ہی نگین خاتم
بے بستہ ہوا یقین کا عالم

جیتے تو وہ یوں چلا تڑپ کے
انگارے پہ جیسے کبک لپکے

دھوکا تھا فقط بکاؤلی کا
قاصد نے دیا وہ خط پری کا

گو مہر خموشی نے لگایا
تحریر کو آنکھوں سے لگایا

قاصد سے کلام لطف بولا
خط صورت چشم شوق کھولا

وہ نامہ کہ عنبریں رقم تھا
قسمت کا نوشتہ ایک قلم تھا

تحریر تھی سرگذشت ساری
کچھ پاس تھی کچھ امیدواری

منگوا کے وہیں دوات و خامہ
تحریر کیا جواب نامہ

اے شاہ ارم کی دخت گلفام
فرخ لقب و بکاؤلی نام

اس نام کے اس لقب کے صدقے
اس نامے کے اس طلب کے صدقے

میں نے جو غرض سے جی چرایا
تو نے کیوں آ کے منہ چھپایا

میری جو بدی ہوئی تھی مجھ یوں
تو نیک تھی بے ملے گئی کیوں

تو چاہے تو کیوں نہ آئے افسوس
افسوس افسوس ہائے افسوس

تقدیر پھری پھری نہیں تو
اُمید گئی گئی نہیں تو

اسے کاش ہیں کچھ بھی سانس پاتا
جی کھول کے داغ دل دکھاتا

معلوم تو ہے کہ شوق کیا تھا
جو کھینچ کے یاں سے لیگیا تھا

اب مجھ میں وہ دم ابھی کہاں ہے
وہ دل وہ جگر وہ جی کہاں ہے

مر جاؤں اگر طلب میں تیری
میں کیا کہ خبر نہ پہونچے میری

قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں
یاں بھی جو رہا تو نیمجاں ہوں

تجھ سے مری خاطر اب کہاں جمع
تو بستر شعلہ میں رگ شمع

تو برق وہاں میں خرمن خار
تو سیل رواں میں خستہ دیوار

تو جوشش یم میں مور بے پر
میں نقش قدم تو باد صرصر

دھڑکا ہے یہی اُو جان دونگا
مر جاؤں گا اب میں جیوں گا

ہو تجھ سی پری جو خصم جانی
انسان کی ہے مرگ زندگانی

منظور جو ہو حیات میری
تو مان لے ایک بات میری

حمالہ کو بھیج آکے لیجائے
شاید مجھے زندہ پا کے پہونچائے

بھیجا نہ اُسے تو جان لینا
آسان ہے یہاں بھی جان دینا

یہ لکھ کے جو خط سے ہاتھ اُٹھایا
قاصد نے لیا جواب لایا

مطلوب کا خط وہ پڑھ رہی تھی
دیکھا تو وہ دیونی کھڑی تھی

پوچھا کہ اری تجھے خبر ہے
گلچیں سرا کو لتاڑتی ہے

وہ صدقے ہوئی کہا بلا لوں
بے دیکھے کسی کا نام کیا لوں

یہ سن کے وہ شعلہ ہو بھبوکا
بولی کہ تجھے لگاؤں لوکا

تیرا ہی تو ہے فساد مردار
داماد کو گل دیا تجھے خار

گل نقب کی راہ سے لیگیا چور
زندہ کروں اُسکی سوہی کو در گور

حمالہ جلی ہوں کیا کہوں میں
داماد کو لا تو ٹھنڈی ہوں میں

آگاہ جو دیو نی سے پائی
بگڑی ہوئی بات یوں بنائی

محبوبہ وہ ہے کنیز زادی — انسان سے ہوئی ہے اسکی شادی
میرا تو نہیں قصور ہے کچھ — شاید اسیکا قصور ہے کچھ
مجرم جو وہ ہے تو لو میں لائی — یہ کہہ کے اٹھی چلی ہوائی
آئی تو یہ زار نیم جاں تھا — آپ اپنی قضا کا نوحہ خواں تھا
حمالہ کو دیکھتے ہی رو رو — پوچھا کہ تو لینے آئی مجھ کو
بولی وہ کہ بے نگار کیا ہے — چل دیکھ تو چھیڑ چھاڑ کیا ہے
کچھ بول کے زیر لب وہ دل زار — ہیجان میں تپ کے جیسے بیمار
لرزا سا چڑھا جو دیولی پر — مانند حواس اڑ گئی وہ مضطر
اس سمت سے پہونچی یہ عقیلہ — واں آئی پری کی ماں جمیلہ
شکوہ کرنے لگی پری سے — یوں کہنے لگی بکاؤلی سے
گلزار کی سیر تو سب بھائی — پھولوں سے نہیں تو گھر بھی آئی
کس طرح گلوں کی ہے تو شیدا — کچھ بھی نہ ہوا ہے کوئی پیدا
کھلتے ہیں کچھ انتظار کے طور — رخ میری طرف نظر کہیں اور
مادر کے کلام سن کے خستہ — بولی کہ چمن تو ہے ہرا بھر
میں کیا جانوں مجھے خبر کیا — پھرتے کسکو ہیں سطر نظر کیا
تقریر جو بے لیت کی کی — وہ سادہ دل آکے گھر کو آئی
جب آکے گئی یہ تو دیولی وہ — حاضر ہوئی لے کے آدمی وہ
آیا تو وہ خستگی کا غمخوار — اندیشے سے کانپ اٹھا گنہگار
واں غصہ بھری غضب دو چندن — پلکوں سے یہاں نظر ہے پر خون
واں شور حشم گرم شمشیر — یاں قطرۂ اشک تر گلو گیر
واں پیاس نے سر کو بلا دیا سو — یاں تاب سخن نہیں ہے اس کو
بولی وہ پری بصد تامل — کیوں تم نے لیے تھے مجھ سے وہ گل
کیا کہتی ہوں میں ادھر تو دیکھو — میری طرف اک نظر تو دیکھو

محبوس کیا ہے تجھ کو ہر چند
توبہ کا تو در نہیں کیا بند

بھولے سے بھی کر نہ یاد آدم
پھر گھر وہی تو وہی وہی ہم

اے شمع نہ سوچ گر بد و نیک
رشتہ کاٹیگا تجھ سے ہر ایک

سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار
اب مان نہ مان تو ہے مختار

تو قید جفا میں ہے کہ ہم ہیں
تو دام بلا میں ہے کہ ہم ہیں

غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجیے
دکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجیے

جھنجھلائی بکاؤلی کہ بس بس
اب ایک کہو گی تم تو میں دس

رنجور جو ہوں تو میں تمھیں کیا
مجبور جو ہوں تو میں تمھیں کیا

مانا مری حالت اب ردی ہے
بہتر ہے وہی جو کچھ بدی ہے

بلبل اسی رشک گل کی ہوں میں
تم کیا ہو ہزار میں کہوں میں

سوچی وہ کہ یہ نہیں سمجھتی
ہے بلکہ برنگ زلف الجھتی

مجنوں ہو اگر تو فصد لیجیے
سایہ ہو تو دوڑ دھوپ کیجیے

کچھ روگ جو در پئے خلش ہو
درماں کے لیے دوا دوش ہو

بیماری عشق لا دوا ہے
اس باغ کی اور ہی ہوا ہے

آخر تو جی سے اپنے ہو تنگ
ایسا نہ ہو لائے اور کچھ رنگ

یاد آئیں جو ابرواں خمدار
رکھ لے نہ کہیں گلے پہ تلوار

وہ سبزۂ خط جو یاد آ جائے
جھنجھلا کے کہیں نہ زہر کھائے

گر یاد کہیں چہ ذقن کو
کودے نہ کنویں میں باؤلی ہو

دیوانے کی مطلق العنانی
ہے باعث مرگ ناگہانی

تدبیر کا جو صلہ نکالا
زنجیر کا سلسلہ نکالا

بیڑی تھی رخ جنوں کی کاکل
پابوسی گل کو آیا سنبل

جب وحشت عشق ہو زیادہ
زنجیر ہے پیش پا فتادہ

شوریدہ بکاؤلی غضب تھی
زنجیروں میں بھی وہ بے ادب تھی

بڑھتی جب دل کی بیقراری   پڑھتی یہ غزل بہ آہ و زاری

غزل

عالم کا تڑپ سے جہاں بیاں ہے   بیتابیِ دل جہاں جہاں ہے

زنجیرِ جنوں کڑی نہ پڑ تو   دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

ذرّے کا بھی چمکے گا ستارہ   قائم جو زمین و آسماں ہے

جو داغ کہ مہر ہے فلک پر   لیلیٰ مرے اب تلک نہاں ہے

کہیں سوچ میں ہو نسیم تو تو   آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

آنا تاج الملوک کا صحرائے طلسم سے روح افزا پری کے ساتھ فردوس میں

بہرِ گہرِ طلسم اخلاص   ہے بحر سخن میں خامہ غواص

وہ قطرۂ بارشِ جدائی   وہ غرقۂ بحرِ آشنائی

وہ بادِ شکستہ حباب افسر   یعنی تاج الملوک مضطر

بے مہری چرخ سے جو ناگاہ   گرداب کے ہالے کا ہوا ماہ

جو ماہ سپہر برتری تھا   سو ماہی بحرِ ابتری تھا

بادل سا وہ بحر آسماں جوش   بجلی سا لہر سے تھا ہم آغوش

دریا تھا نہ بحر تھا نہ جیحوں   طوفانِ طلسم جوشِ افسوں

گرتے تو وہ پانی سر سے گذرا   ابھرا تو نہ کچھ نظر سے گذرا

موجوں سے عوض کٹی جیب داماں   گرداب کے بدلے تھا گریباں

آگے جو بڑھا جزیرہ دیکھا   اشجار و ثمر کا ذخیرہ دیکھا

جس پھل کو چھوا جو پھر کیا غور   ہاتھ آیا نہ کچھ حباب کے طور

جانا کہ طلسم کا ہے جنگل   ہیں یاں کے درخت کا یہی پھل

اور آگے بڑھا وہ بحر اوہام   ڈوبا خورشید ہو گئی شام

ڈر جانوروں کا جی میں پیٹھا   اک نخل کو دیکھ چڑھ کے بیٹھا

ناگاہ سنی صدائے پر خوف   آیا اک اژدہا سپیلے طوف

صورت میں پہاڑ کی نشانی   سیرت میں بلائے ناگہانی

جس شخص کے پاس وہ ثمر ہو
لکڑی میں اثر یہ ہے کہ دشمن
دو ہاتھوں میں لے جو کاندھے پر سے
ٹوپی جو بنائے چھیل کر چھال
پتے کی صفت بیان کیا ہو
منہ میں رہے گوند اسکا جبتک
تھا طلسم عجیب مرغ گویا
گانے سے جہاں بھرے کی سیاہی
طوطا بنکر شجر پہ آکر
پتے پھل گوند چھال لکڑی
ہاتھ آگئی عصا کی تاثیر
اڑتا ہوا واں سے دور جاکر
من راں کو سیر کر چھپایا
اک حوض پہ آب و تاب دیکھا
غوطہ جو لگا کے سر اٹھایا
دکھلائی لگی بڑے دنوں سے ثبات
حوض اسکی ہوئی یہ دیکھتے ہی
سختی سے دکھاتا تھا مقدر
نامردی سے اپنے نعرہ زن ہو
آنکلے سے جوان ایک خوش قد
باہم زن و مرد نے کیا میل
بارے جو پڑی نظر اسکے سب لے قید
حسب جن کے نہانے کا دن آیا

ہشیار نہ اُس سے کارگر ہو
بچتا ہے موم اگر ہو آہن
اُڑتا پھرے جیسے مرغ پرّے
دکھلائی نہ دے نظر کی تمثال
دم بھر میں پھر کر جراحتوں کو
لگتی نہیں بھوک پیاس تب تک
سنتے ہی اُدھر چلا وہ جویا
وہ حوض میں تھا مثال ماہی
چل کھا کے بشر کا ڈب پا کر
اُس پیڑ سے لے گئے راہ پکڑی
پرّاں ہوا صورت عصافیر
ٹھہرا دم لینے اک جگہ پر
پتے سے وہ زخم سب بھر آیا
سرچشمۂ آفتاب دیکھا
وہ حوض وہ آب سب پچھ نہ پایا
مردی کی رہی نہ کچھ علامت
شہزادہ تو گم زنانہ باقی
چھاتی پہ دو اُبھروں سے بھر
بچتی رہی چلی کسی طرف کو
آتا تھا دنوں کی جیسی آمد
دریا سے ملا وہ قطرہ زن سیل
اُمید سے رہ گئی وہ نومید
غوطہ کسی حوض میں لگایا

اُبھری تو نہ حوض تھا نہ وہ روپ
قدرت نے جو پھر وجود پایا
ترکش پہ نگاہ کی تو تھا تیر
گو شمع بنا چراغ دامن
تھا مردم دیدۂ ظلمات
اک دیو کی مردہ دل سی مہوت
زنبور سیاہ خال اُس کے
گٹھا لیے سر پہ لکڑیوں کا
شہزادہ کہ تھا گریہ منتظر
گٹھا وہ دیا کہ پہنچ لا جا
حیرت زدہ شاہزادہ لاچار
جب بڑھ کے ہوا نظر سے اوجھل
واں سے جو بڑھا تو ایک چشمہ
غوطہ جو لگا کے سر اُبھارا
کھویا ہوا ملک ہاتھ آیا
خورشید مرا گہن سے چھوٹا
یارب یہی اب میں چاہتا ہوں
نادان خبر جو آ کے کو کھوئے
یہ کہہ کے کنارے رکھ کے لاٹھی
کھانے کو شجر کا گوند تھا پاس
دیکھا ناگاہ کہ وہ اسیر زن
ڈوبی وہ جو سر پہ چھال کی تھی
اُس دیو کے آگے سے بڑھا وہ

پانی کے عوض تھی دشت کی دھوپ
پستانوں کو سبے نمود پایا
قبضے میں پھر آئی کھوئی شمشیر
روشن نہ ہوا وہ رنگ دو روشن
حال رخ و رنگ پر و مساوات
پستان سے فدا اسکا نخل تابوت
برگد کی جٹائیں بال اُس کے
چلتی تھی سموم کا سا جھونکا
سر وہ رو سیہ اُسکو جھکی شوہر
کچھ نہیں دیر چلد آ جا
راہی ہوا سر پہ رکھ کے انبار
ہلکا ہوا پھینک بھار تک پہ جنگل
پر آب تھا چشمہ منتظر سا
آیا وہ پری رنگ روپ سا یار
پھولا وہ کہ شکر ہے خدایا
زنگ آئینہ بدن سے چھوٹا
یہ چشمہ پھر آنکھ سے نہ دیکھوں
اُس پانی سے منہ اور ہاتھ دھو کے
گھوڑوں پہ ہوا کہ بادشاہی کی گٹھی
کیا دخل کہ بھوک لگتی یا پیاس
اک دیو سیاہ تھا لیے گرز
تریاق ہیں پرورد حال کی تھی
سایہ سا پہاڑ پر چڑھا وہ

گریاں لبِ حوض اک پری تھی
فوارے کی طرح رو رہی تھی

پُر جوش و خروش اُسنے جو پایا
رشکِ پری اُسنے تاج سر اُٹھایا

دیکھا جو پری نے آدمی زاد
آہستہ کہا کہ خانہ برباد

رستہ ترا کھو گیا کہاں سے
کھا جائیگا دیو بھاگ یاں سے

بولا وہ بشر کہ دیو کیسا
ہمسکو تو ملا نہ کوئی ایسا

بولی وہ پری کہ جا کہا مان
سر پر ہیں ترے قضا کے سامان

بولا وہ کہ بیقراری کیا ہے
تم اپنی کہو تمہاری کیا ہے

کیوں روتی ہو کس کی یاد میں ہو
کیا رنج ہے کس فساد میں ہو

بولی وہ حسین کہ میں پری ہوں
اس دیو کے بس میں آ گئی ہوں

فردوس کا بادشہ مظفر
روح افزا جسکی ہوں میں دختر

سردار گروہ دیوؤں کا ہے
سلطان ارم مرا چچا ہے

اک دن میں چلی چچا کے گھر کو
ماندی تھی بکاؤلی کی خبر کو

رستے سے یہ دیو ہتھیا نش لایا
اب تک تو خدا نے ہے بچایا

نام اُس سے بکاؤلی کا سُن کر
رونے جو لگا وہ سر کو دھن کر

پوچھا اُسنے کہ آدمی زاد
تو کیوں رویا کہا کہ فریاد

واں خرمن عیش پر پڑی برق
یاں بحر فسوں میں میں ہوا غرق

ڈال پھانسی گئی ہے اسکو غم کی
یاں سانس نہیں ہے ایک دم کی

بولی وہ کہ تجھ سے آگہ ہم
رکھتے ترے زخم دل پہ مرہم

بولا وہ کہ چل کہا کہ ناداں
وہ دیو کہاں کہاں تو انساں

دیوؤں سے کبھی لڑ سکا ہے کوئی
سایہ کو پکڑ سکا ہے کوئی

بولا وہ کہ جی ۔ کہا نہ جانی
دیو آگ تو آدمی ہے پانی

ہر چند کہ اس کی جان ہے یہ لاگ
دب جاتی ہے مشت خاک سے آگ

بولی وہ کہ سن تو آدمی زاد
وہ دیو ہے تیری کیا ہے بنیاد

تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی — لاٹھی سے جدا نہ ہو گا پانی
بولا وہ کہ یہ جو لٹھ دھرا ہے — موسیٰ کا عصا ہے اژدہا ہے
پڑ کر کے جتا دئے جو ہر اپنے — سامان دکھا دئے یکسر اپنے
ٹوپی جو اتار لی تھی سر سے — پھر رکھ کے نہاں ہوا نظر سے
لٹھ کاندھے پہ رکھ ہوا پہ جا کر — ظاہر ہوا ٹوپی کو اٹھا کر
یہ شعبدہ دیکھ کر پری نے — اڑ چلنے کے پائے پھر قرینے
تسکیں جو ہوئی پری کے جی کو — وہ آدمی سے لے اڑا پری کو
وہ دیو پری کو لے اڑا گر — اُچکا تو بطلا ہوا پہ جا کر
شہزادے نے اپنے سر کی ٹوپی — چادر سی پری کے سر پہ رکھ دی
بدلی میں چھپی وہ ماہ روشن — بجلی سا عیاں ہوا یہ پر فن
وہ دیو کہ تھا پری پہ لپکا — حیرت زدہ آدمی پہ لپکا
شہزادہ کہ لٹھ سے برق دم تھا — بادل سا ہوا کا ہم قدم تھا
دیکھا جو غرض دیو نے گرارا — پتھر اک اٹھا کے پھینک مارا
وہ سنگ گراں حسد بہ غول — تاثیر سے پھول کی بن گیا پھول
لٹھ اس کا پڑا تو وہ ہوا چور — جس طرح عصا سے جام بلور
غل کر کے زمیں پہ گرا دیو — سر چور ہوئے شرار با دیو
بادل کی طرح جو اٹھے دشمن — لاٹھی سے ہوا وہ برق خرمن
موسیٰ کا عصا تھا لٹھ جو اسکا — ایک ہی لاٹھی نے سب کو ہانکا
شر ہو گیا کوہ پیکروں کا — جی چھوٹ گیا دلاوروں کا
ٹوپی کو اتار کر پری نے — چپکے سے قدم لئے پری کے
شہزادے نے تاج سر پہ رکھا — لٹھ کاندھے پہ دل سفر پہ رکھا
فردوس میں جا کے صورت حور — ماں باپ سے آملی وہ مہجور
دیووں کی وہ سرکشی سنائی — انساں کی وہ مردمی جتائی

سن سنکے اُڑے حواس اُنکے — لائے نہ یقین قیاس اُنکے
پوچھا کہ وہ ہے کہا کہ ہاں ہے — پوچھا کہ کہاں کہا یہاں ہے
یہ سنتے ہی اُسنے تاج اٹھایا — خیراتوں کو شعبدہ دکھایا
بال اُسکے وبال سے بڑھے تھے — ناخن بھی ہلال سے بڑھے تھے
تن خاکی تھا جان آتشیں تھی — عریانی قبا سے پوستیں تھی
صورت سے فقیر تھا بروگی — کی آؤ بھگت سمجھ کے جوگی
خستہ آیا اُس پری کی مادر — باپ اُسکا بادشہ مظفر
قدموں پر گر کے کہا ادب سے — خدمت رہی آپ کے سبب سے
بولا وہ خدا احد کرو واہ — ہے جملہ جہان کا مالک اللہ
قادر وہی کبریا وہی ہے — آخر وہی ابتدا وہی ہے
بولے وہ کہ حق ہے جو ہو فرمان — تم وقت کے اپنے ہو سلیمان
کچھ لو کرم آؤ لطف فرماؤ — شربت پیو میوہ سے ترکھاؤ
بولا وہ کہ اشتہا کسے ہے — کھانے کا مزا رہا کسے ہے
سیاح کو کیا قیام سے کار — شبنم نہیں جاگزین گلزار
درویش رواں رہے تو بہتر — آب دریا بہے تو بہتر
روح افزا بول اٹھی اجی واہ — ہم جانے نہ دینگے تم کو واللہ
آرام کرو کرم کرو آؤ — ہم رام ہوئے نہ رم کرو آؤ
مجھ سے الگ مکاں میں لائی — آرام کی جا قرار پائی
اصحاب نیاز کھانے لائے — ارباب نشاط گانے آئے
تھا اپنے سوچ میں وہ سنسان — دُھن راگ کی تھی نہ رنگ کا دھیان
بے وقت وہ راگ خوش نہ آیا — بے فصل وہ پھاگ خوش نہ آیا

آنا بکاؤلی کا روح افزا کی خبر کو جمیلہ کیساتھ اور تاج الملوک سے ملکر جانا سات دن بعد

بچھڑوں کے جو ملنے کا بیاں ہے — یوں خامہ خوشی سے تر زباں ہے

روح افزا کو جو کھو کے پایا
جانا تھا یگانگی ہیں لازم
وہ ساکن خانۂ سلاسل
کہتی تھی کہ پیچ سے نکالتی
سن کے قیدی کے زار نالے
تخت اُنکی سواریوں کے آئے

بانوے ارم شہ جمیلہ
روح افزا سے ہوئی بغلگیر
کہہ سن کے مبارک و سلامت
روح افزا نے کہا اچھی جان
خاطر سے کہا کہ خیر لیکن
یہ کہہ کے وہ دخت خجستہ
روح افزا نے کہا بہن سے
گلگشت کریں چلو کہا خیر
چل پھر کے ہنسی ہنسی میں پوچھا
روح افزا نے کہا کہ ہمشیر
واللہ کہ پہچان کر خدائی
سمجھی وہ ہنسی کہا سلامت ہو
ہمکو یہ ہنسی نہیں گوارا
پیارا جو نہ تھا تو کھو گئیں کیوں
بولی وہ کہ آشنا تمھارا
گر اسکی تلاش میں ہیں کھوئی
جو چاہو کہو جواب کیا دوں

مژدہ شاہ ارم تک آیا
ملنے کو ہوئی جمیلہ عازم
یعنی وہ بکاؤلی بیدل
خواہاں یہ ہوئی کہ میں بھی چلتی
زنجیر کے پیچ سے نکالے
اُڑتے وہ ہوا کے جھونکے آئے
دخت اسکی بکاؤلی عقیلہ
صورت پوچھی کہا کہ نعمت بار
بیٹھ اُٹھ کے ہوئی جمیلہ رخصت
تم جاؤ رہیں بکاؤلی جان
لیجاؤنگی خود میں ساتویں دن
آ ہو سی ارم کو کر گئی رم
بہتر نہیں کوئی جا چمن سے
کیا جانئے کہ ہو گی سیر میں سیر
کھونا ملنا بہن یہ کیا تھا
میں نے یہ سنا کہ تو ہے دلگیر
تیرے پیارے کو ڈھونڈھ لائی
نادان ہو کیا کہوں بہن ہو
پیارا ہووے گا وہ تمھارا
بدراہ بھی آپ ہو گئیں کیوں
پیارا نہیں پیاری کا ہی پیارا
بدراہ نہ کہہ سکے گا کوئی
قائل نہیں ہوتی ہو دکھا دوں

افسانۂ عشق اُسے سُنایا
لے آئی اُڑا کے اُس پری کو
شادی کی خبر سُنائی اُس نے
جا پہنچے خط و خال و چشم و ابرو
قسمت کا لکھا سا آ گے آیا
شر ہو نہ کہیں یہ خیر خواہی
کیا سوچتے ہوں نصیب اعدا
کرتی تھی اُسی کی رُخ نظارہ
تسکین ہوئی آئی جان میں جان
یہ نقل مطابق اصل سے ہے
شرمائی لجائی مسکرائی
ایجاب اُس نے کیا مبارک
بن ٹھن کے بنا اُدھر سے آئے
ساعت ٹھہرائی دن دکھایا
مشتاق کو خوشخبر سنائی
دن گننے لگی خوشی کے مارے
یاں سبز ہوا نہال اُمید
یاں تازگی آبرو نے پائی
یاں جم گیا منہ پہ رنگ امید
یاں چہرے سے روشنی دو چنداں
یاں سلسلۂ سر سے ہالے میں چاند
طرۂ کلغی پہ یاں تھا سر پیچ
سہرا ہوا یاں خضاب عارض

زیبا ہوا واں بدن پہ گہنا — یاں جامۂ وفا کا اس نے پہنا
محرم کے کسے گئے ادھر بند — ہمت کا بندھا ادھر کمر بند
واں گل سے بہار بوستاں تھی — آرائش تخت گل یہاں تھی
الماس کے واں تھے جھاڑ فانوس — یاں جلوہ فروش تخت طاؤس
مہتاب سے چاندنی کا واں فرش — یاں چرخی سے چرخ ہیں سر عرش
واں جلوے حنائی انگلیوں کے — یاں روشنی کے تھے تختے نخلے
بادل سے وہ واں گرج رہے تھے — یاں دھوم سے باجے بج رہے تھے
واں پریوں میں ذکر آدمی زاد — نوشہ کے جلو میں یاں پری زاد
گلگوں تھا کسی کا بادِ رفتار — گلرنگ کسی کا تھا ہوا دار
ہاتھی سے تھے تو مستیوں کی دھت تھی — گھوڑے سے تھے تو چابکی کی لت تھی
وہ ماہ کہ تھا سوار شبدیز — تھا پا بہ رکاب شوق مہمیز
ور تک جو برات ادھر سے آئی — کی سب نے ادھر سے پیشوائی
فیروز مظفر ایسے دو شاہ — پر نور تھے جیسے مہر اور ماہ
باران گلاب و بارش گل — ہو کر چلے آ گئے تہ گل
سلطان فیروز رشک جم تھا — نوشہ مسند پہ جم کے بیٹھا
جھرپالے بجنے کا شور و غل تھا — سنبل کا بنور تو بستر گل تھا
گل سے خوانوں میں زردہ لایا — اُن غنچہ دہانوں کو کھلایا
خورشید سا آفتابہ لائے — منہ ہاتھ ہر ایک کے دھلائے
قلیاں پیچے مشکبو دھواں دھار — بیڑے تھے لگے ہاں ان کے مزے دار
جب عقد کی آ کے ساعت آئی — دو رشتوں میں اک گرہ لگائی
یکجا کیے وہ عروس و داماد — وہ جان پری یہ آدمی زاد
حیرت سے نہ آئینہ دکھایا — شربت دیدار نے پلایا
زلفیں ہوئیں چہرے کی بلا جیں — ٹھٹکا وہ نگاہیں سحر آگیں

جو چہرۂ آتشیں پہ تل تھا — اسپند نگاہ بد بدل تھا
جو بڑھی جو ملی سبنے بنی کی — سنگت ہوئی راگ راگنی کی
جو گانے نہیں تھیں شہانے گائیں — لیتے ہوئے نیگ راگ لائیں
حق پا کے جو رکھتی تھیں قدامت — بول اٹھیں مبارک و سلامت
پیارا تھا سبنے بنی کا جوڑا — خلوت میں دولہا دلہن کو چھوڑا
پریاں کہ ہزار ہا بھری تھیں — ارمان سے سب وہاں سے نکلیں
بے پردگی ہوئی تھی جو انہیں — دروازوں نے بند کر لیں آنکھیں
طومار حجاب کو کیا سے طے — ساغر پہ جھکا وہ شیشۂ مے
مستانہ ملا دلہن سے نوشاہ — صحبت ہوئی دخت رز سے دلخواہ
مست آنکھیں تھیں رشک جام سرشار — لبریز ہوئی شراب دیدار
گردن تھی صراحی مے ناب — ہاتھ آئی وہ بھر مستی خواب
جب اوڑھی عروس مہر نے چادر — نکلا پردے سے شاہ خاور
ثابت وہ جو شب کو تھے ستارے — خورشید نکلتے ہی سدھارے
یعنی دولہا دلہن سحرگاہ — نکلے آرامگہ سے دلخواہ
منہ گھر کو براتیوں نے موڑا — محظوظ دولہا دلہن کو چھوڑا
وہ جوش گلاب میں نہایا — یاں رخ پہ عرق گلاب پایا
واں جوڑا جیسے تنگ بدلا — یاں جوڑے کے منہ کا رنگ بدلا
وہ راگ کا دیکھنے لگا رنگ — یاں پر سے بھی چھٹی تھی خوش آہنگ

رخصت ہونا تاج الملوک کا بکاؤلی کو لیکر اور آنا گلشن نگاریں میں

غربت سے جو اب سر وطن ہو — [illegible] وہ زباں پہ حرف رفتن ہو
شادی ہو کر وہ خانہ آباد — سوچا کہ بنا ہیں خانہ داماد
غربت میں وطن کی دھن سمائی — اس گل کو یاد ہند آئی
خلوت میں ہوا پری سے گویا — دنیا میں ہیں سب وطن کو جویا

پانی تہ خاک کو رواں ہے ۔۔۔ تو شعلہ کی سوے آسماں ہے
عزم سفر وطن سمجھ کر ۔۔۔ بولی وہ بکاؤلی کہ بہتر
چلیے گا تو ساتھ ہیں بلا عذر ۔۔۔ رہیے گا تو بندگی میں کیا عذر
ہاتھ اُسکا پکڑ کے باہر آئی ۔۔۔ ماں باپ کے پاس دختر آئی
ہوتے ہی دو چار خویش و دختر ۔۔۔ دو دے ہوے چار اُس جگہ پر
وہ تینوں تھے قوم کے پریزاد ۔۔۔ یہ تھا اُن میں یہ آدمی زاد
چومی اُسنے زمین خدمت ۔۔۔ غربت سے وطن کی چاہی رخصت
فیروز شہ و جمیلہ بانو ۔۔۔ دونوں ہوے سنکے سر بہ زانو
غوطے میں جو آ گئے وہ یکسر ۔۔۔ بولی ماں باپ سے وہ دختر
پریوں سے جو کی ہے نسبت ۔۔۔ اب کیجے ہنسی خوشی سے رخصت
دعوے نہیں کچھ دیے ہوے پر ۔۔۔ قائم رہیے کیے ہوے پر
لازم جو ہو اسمیں کد نہ کیجے ۔۔۔ سائل کا سوال رد نہ کیجے
بولے وہ کہ بخت تھا زبردست ۔۔۔ خورشید کو ذرے نے کیا پست
انسان سے جھکی پری کی گردن ۔۔۔ کانٹے سے رُکا ہوا کا دامن
یہ کہہ کے منگا لئے دو ہوا دار ۔۔۔ تنو دیو بلا لئے باو رفتار
ہو کر دیوؤں کے زینت دوش ۔۔۔ رخصت وہ اُدھر ہوے ادھر ہوش
اشکوں سے شگوں لیا نرالا ۔۔۔ آئینہ رخ پہ پانی ڈالا
سونپا مختار کو جو مجبور ۔۔۔ گھر پاس تھا اور وہ منزلوں دور
آئے پر تو وہ باغ سحر بنیاد ۔۔۔ تھا آب و ہوائے خوش سے آباد
خیل و خدم اسکے منتظر تھے ۔۔۔ مانند حواس منتشر تھے
پہچان کے اسپ نے غل مچایا ۔۔۔ آیا تاج الملوک آیا
داخل جو ہوے محل کے اندر ۔۔۔ محمودہ لپکی دوڑی دلبر
پوچھا خوش خوش کہا کہ دم لو ۔۔۔ دیکھو یہ کون ہیں قدم لو

دلبر یہ وہی بکاؤلی ہے   محمودہ دیکھ کیا پری ہے
سبحان اللہ کہہ کے دلبر   بولی کہ یہ گھر ہوا منور
محمودہ نے کہا مبارک   خشنودی آشنا مبارک
اُن مختصروں سے جب دیا طول   بولی وہ بکاؤلی کہ معقول
سمجھو تو کچھ نہیں ہے تکرار   خوش پوش ہوا ایک جوڑے دو چار
درجے درجے رہیں وہ ذی ہوش   ہمخانہ و ہمدم و ہم آغوش

طلب ہونا بکاؤلی کا راجا اندر کی محفل میں اور آگاہ ہو کر ہمراہ جانا تاج الملوک کا

تقدیر سے ہیں جو شادی و رنج   اب یوں نے رخامہ ہوا سنج
از بسکہ یہ چرخ فتنہ انگیز   ہے خرمن عیش پر شرر ریز
یک چند وہ مہ لقی کا ہشو نہیں   گذری اک عمر خواہشوں میں
تقدیر سے جب مراد پائی   راجہ اندر کو یاد آئی
اندراسن آمر نگر ہے شہر ایک   خلقت ہے وہاں کی زندہ دل نیک
اندر ہے بادشاہ اسکا   آسن ہے تخت گاہ اس کا
مضمون وہ قضا سے اسقدر ہے   اُس بستی کا نام امرنگر ہے
یزدانیوں کا ہے مسکن اسمیں   روحانیوں کا نشیمن اسمیں
کہتے ہیں مور خان ہندی   آباد ہوا ہے سے وہ بستی
راجہ کہ کمال پارسا ہے   مقبول جناب کبریا ہے
خالق نے دیا ہے فوق اسکو   نغمے سے ہے ذوق شوق اسکو
انساں کا سرود و رقص کیا ہے   پریوں کا ناچ دیکھتا ہے
باری باری سے جو پری ہے   راجہ اندر کی مجرئی ہے
لیکن جو بکاؤلی دل افگار   باری پہ پہنچ سکی نہ یکبار
اک شب راجہ تھا محفل آرا   یاد آئی بکاؤلی دل آرا
پوچھا پریوں سے کچھ خبر ہے   شہزادی بکاؤلی کدھر ہے

منہ پھیر کے ایک مسکرائی
آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی
چتون کو ملا کے رہ گئی ایک
ہونٹوں کو ہلا کے رہ گئی ایک
بولا وہ کہ چپ ہو کیوں سبب کیا
بولیں وہ کہ کہیے بے ادب کیا
ناتا پریوں سے اُسنے توڑا
رشتہ ایک آدمی سے جوڑا
وہ سُن کے خفا ہوا کہا جاؤ
جسطرح سے بیٹھی ہو اُٹھا لاؤ
پریاں اُڑیں اوپر اوپر آئیں
مہتابی پہ مثل ابر چھائیں
دیکھا تو وہ دونوں کرتے تھے خواب
گل تکیے تھے آفتاب و مہتاب
ہمبستر آدمی پری تھی
سایے کے بغل میں چاندنی تھی
غافل جو اُنھوں کو اُن نے پایا
اُس نقش مراد کو جگایا
جاگی تو سب اُسکے جوڑ کی تھیں
اندر کے اکھاڑے کی پری تھیں
بولیں کہ طلب کیا ہے چلیے
جوڑا یہ خراب ہے بدلیے
اُٹھی اُسے جی کی طرح چھوڑا
بدلا مانند رنگ جوڑا
ساتھ اسکے وہ تا بہ محفل آئی
لرزاں لرزاں مقابل آئی
راجہ نے نگاہ کی غضب سے
پوچھا کہ یہ بےحیائی کب سے
بو آتی ہے آدمی کی سے لے جاؤ
ناپاک ہے آگ اُسے دکھا لاؤ
شعلہ سا پری کا جسم کانپا
منھ دامن اشک تر سے ڈھانپا
پریوں نے کشاں کشاں نکالا
صندل آتشکدے میں ڈالا
کافور سی جل اُٹھی سراپا
ٹھنڈی ہوئی تھا جنھیں جلاپا
جو آتش گل نہ سہ لے چمن سے
جھونکا اسے آگ میں جلن سے
جس رُخ پہ تھی کاکُل معنبر
تھا چشم تر و دل میں دود جگر
جس جسم پہ تھی نفیس پوشاک
شعلے کے سوا نہ کچھ تھا خاشاک
جیسے نفس ایک خضر آئی
چھینٹے سے جلی ہوئی جلائی
شعلے سے زیادہ پاک داماں
آ کر ہوئی انجمن میں رقصاں

ناچی گائی غرض ناچار — اغیار ادا سے کر لیے یار
برخاست کا وقت صبحدم تھا — راجہ کہ وہ صاحب کرم تھا
بولا جا یوں ہی آئیو روز — جل بجھ کے سدا سنائیو سوز
رخصت پاتے ہی وہ ہوائی — پرّاں پرّاں ہوا سی آئی
پشواز کنارے حوض اُتاری — شب کی پوشاک پہنی ساری
بیتاب آ را گہ تک آئی — ہمخواب کی آنکھ بند پائی
یوں سیج پہ آ کے سوئی بیتاب — جس شکل سے آ لے آنکھ میں خواب
وہ آہوئے مست خواب خرگوش — یعنی تاج الملوک بیہوش
اُس شب کو بغل میں آ کے جاگا — پر دوسری شب وہ جل کے جاگا
دیکھا تو وہ متصل نہیں ہے — پہلو میں جگر ہے دم نہیں ہے
حاجت کی گماں سے جب ہوئی دیر — جھنجھلا کے پلنگ سے اُٹھا شیر
دائیں دیکھا نظر نہ آئی — بائیں دیکھا کہیں نہ پائی
عورت تھی گماں بد سے کھٹکا — جانا کہیں دل کسی سے اٹکا
اتر در نظر آیا در کا سایہ — سمجھا وہ پلنگ چار پایہ
آنکھوں میں جو چھا گیا اندھیرا — پل مارتے ہو گیا سویرا
جاگا تو پری بغل میں پائی — وہ نقش وفا عمل میں آئی
دانستہ خبر ہوا نہ بیتاب — گویا کہ وہ شب کا حال تھا خواب
جب مہر فلک گیا لب بام — مہتابی پہ آیا وہ سر شام
معمول سے بزم میں ہوئے جمع — مینا و کباب و مجمر و شمع
جام اُسنے بھرا کہا پیالے — دل اسکا بھرا تھا جام کیا لے
ٹھانی تھی کہ آج رہ کے بیدار — دیکھوں جاتی کہاں ہے عیار
بولا کہ ہیں درد سر کے طور — ہیں آج نہ ہونگا شامل دور
ہٹ اُسنے بہت کی تو ہاتھ مارا — شیشہ ہوا چور چور سارا

ہوتی ہے جو نوک شیشہ خنجر — چبھنے لگے اسکے انگلیوں پر
بیداری شب کی گھات پائی — حکمت سر دست ہاتھ آئی
کف میں نمکیں کباب لے کر — چھڑکا نمک اُن جراحتوں پر
بند آنکھیں کیے ہوئے شکر لب — بیدار رہا تو آخر شب
پریوں نے ہوا سے تخت اُتارا — ثابت ہوا ٹوٹتا ستارا
سوتا اسے جان کر اُٹھی وہ — پوشاک بدلنے کو گئی وہ
اُس تخت کا یہ پکڑ کے پایہ — پوشیدہ ہوا برنگ سایہ
بن ٹھن کے جب آئی رشک ناہید — ذرہ ہوا ہمرکاب خورشید
جاتے ہی زمیں سے آسماں پر — پہونچی اُس بزم میں سماں پر
لوگوں سے بھرا وہ دائرہ تھا — پرصوت و صدا وہ دائرہ تھا
ٹھٹکے یہ پہونچ کے تخت ٹھہرا — مرکز پہ وہ نجم بخت ٹھہرا
آتشکدہ پریوں نے بنا کر — پھینکا اُسے پھول سا اُٹھا کر
شہزادہ کہ زیر تخت زرکار — تھا پہلوے گل میں صورت خار
فریاد نہ کرنے پایا مضطر — تاباں ہوئی راکھ میں سے اخگر
راجہ جس رخ تھا محفل آرا — دل لیتی ہوئی چلی دل آرا
ہمراہ چلا وہ چھوڑ پایہ — آگے تھی پری تو پیچھے سایہ
محفل میں جو آئی شمع محفل — پروانوں کا ہاتھ سے گیا دل
جوگانی تھیں بیٹھی مثل آواز — مجرے کو اُٹھی وہ صورت ناز
وہ ناچنے کیا کھڑی ہوئی تھی — خود راگنی آ کھڑی ہوئی تھی
رقص اسکا اگرچہ خوشنما تھا — سنگت کا پکھاوجی ٹھکا تھا
شہزادے نے دیکھ دائیں بائیں — لیں طبلہ نواز کی بلائیں
آہستہ کہا کہو تو آ دل — فرماؤ تو سبند کی بجاؤں
اُسنے جو پکھاوج اسکو دیدی — کیفیت اتفاق سنئے دی

تھا سحر پہ یہ اُس پری کا نقشا
محظوظ کیا جو سب کو اکبار
انداز سے اُس نے لیکے بالا
برخاست کا تھا وہ رخصتی ہار
لے ہار وہ شاہزادہ فی الفور
بادِ سحری چلی جو سن سے
خورشید سے پہلے اوڑ کر آئی
وہ حوض کے رخ چلی اُتر کر
وہ آئی تو غافل اسکو پایا
جب پردۂ صبح ہو گیا فاش
اُس غنچہ دہن کا مسکرانا
ہنستے ہنستے کہا ہنسے کیوں
بولا وہ کہ خواب دیکھا تھا
بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر
بولا وہ کہ رات کو افق میں
بولی وہ کہ مہر سے شب و روز
بولا وہ کہ اک مقام ہو تھا
بولی وہ بشر ہو تم دلاور
بولا وہ کہ دیکھی اک شبستاں
بولی وہ کہ شعلہ میں پری ہوں
بولا وہ کہ جب ہوا اُجالا
بالہ مہِ انجمن کا کیا تھا
گھبرائی پری کہ ہیں یہ کیا ہے

سب آنکھ ملا کے کہتے تھے آ
بخشا راجہ نے نو لکھا ہار
کاندھے پہ بکھاوجی کے ڈالا
برہم ہوئی بزم اُٹھے سب اکبار
چھپایا ہوا زیرِ تخت اسی طور
وہ شمع سدھاری انجمن سے
تاروں کی چھاؤں میں گھر آئی
پہ آنکھ بچا کے سوئے بستر
آغوش میں آ گلے لگایا
خنداں خنداں اُٹھا وہ بشاش
بے رنگ بکاولی نے جانا
ہنستا نہیں بے سبب کوئی یوں
آتش پہ کباب دیکھا تھا
دلسوزی کرے گا کوئی دلگیر
خورشید تھا آتش شفق میں
عالم میں رہو گے روز افروز
گلزار خلیل رو برو تھا
سرسبز ہو قوم آتشی پر
شعلہ ہوا انجمن میں رقصاں
جو ناچ بکاولی ناچتی ہوں
بخشا مہِ انجمن نے بالا
وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا
بولا وہ کہ ہار نو لکھا ہے

کاندھے پہ تھا جسکے رات ڈالا ‏ ‏ پھانتی ہو وہ طبلے والا
یوں جی میں کہ اکیلے شب کو جانا ‏ ‏ اوپر اوپر ہوا سے اُڑانا
یہ سُن کے پری وہ سوختہ تن ‏ ‏ بولی کہ سُن اے صلاح دشمن
میں جا کے جلی تو غم نہیں ہے ‏ ‏ ڈر ہے کہ نہ تجھ پہ آنچ آئے
میرے جلنے پہ خاک ڈالو ‏ ‏ تم نام نہ واں سنکے جلنے کا لو
افروختہ آتش حسد ہے ‏ ‏ جلتا یہ سپند چشم بد ہے
بولا وہ کہ یہ نہوگا مجھ سے ‏ ‏ ہیں دو قدم آگے ہونگا تجھ سے
سمجھاتی رہی اُسے وہ دانا ‏ ‏ لیکن اُسنے کہا نہ مانا
عازم ہوا شب کو آتے ہی تخت ‏ ‏ یا قسمت یا نصیب یا بخت
واں جا کے وہ سوچی اسکو لاگ ‏ ‏ سے چلے تو ذرا جو لاگا راگ
سنگت کا پکھاوجی بنا کے ‏ ‏ گائی یہ غزل مقام پا کے

غزل

ساقی قدح شراب دے دے ‏ ‏ مہتاب ہیں آفتاب دے دے
ساقی باقی جو کچھ ہو لے لے ‏ ‏ باقی ساقی شراب دے دے
اُس بت سے نہیں سوال کچھ اور ‏ ‏ اپنے منہ سے جواب دے دے
لیلیٰ ہیں سنے تجھے بنایا ‏ ‏ مجنوں مجھ کو خطاب دے دے
اُس گل سے نسیم زر نہیں مانگ ‏ ‏ جو چاہے وہ حساب دے دے

نصف پتھر ہو جانا بکاؤلی کا راجہ اندر کی بد دعا سے اور بتخانے میں رہ کر ملنا تاج الملوک سے اور کھدوانا بتخانے کا رانی چتراوت کے حکم سے

ہے اب جو بیان سنگساری ‏ ‏ یوں پاے قلم ہوا ہے بھاری
خوش لہجہ بہت بکاؤلی تھی ‏ ‏ گائی اور ناچی بڑی تھی
راجہ نے کہا کہ خوش ہوں تجھ سے ‏ ‏ جو چاہیے آج مانگ مجھ سے
دکھلا کے اُسی پکھاوجی کو ‏ ‏ مانگا کہ یہ دو بکاؤلی کو
ارمان یہی ہوس یہی ہے ‏ ‏ خاطر کی مراد بس یہی ہے

مانگا جو بشر پری سے نے مبارک
بولا کہ اس آدمی کی یہ تاب
کھویا ہے تجھے تیری آرزو نے
کی ہے حرکت خلاف آئین
اس سختی سے کچھ دنوں رہو تو
قالب ترا انقلاب کھائے
بارہ برس اس طرح گزر کر
اُس وقت جہاں تو چاہے جائے
روئی وہ بکاؤلی یہ سن کے
خواہش جو بلا سے جاں ہوئی وہ
ناری سختی بڑی ہوا ابتائی
سایہ سا زمیں پہ جب گرا وہ
سبزے کی دھوپ چھاؤں مخمل
چشمہ اک آفتاب سا تھا
پریاں کچھ اُدھر نہانے آئیں
بولیں یہ وہی بکاؤلی ہے
وہ چونک کے بول اُٹھا کہ للہ
اندر کے غضب سے بنکے پتھر
پوچھا کہ کدھر کہا بہت دور
یہ کہکے اُتاری سب نے پوشاک
پردے کا جو کچھ خیال آیا
بے ننگ سے یہ سب نہا رہی تھیں
سوچا وہ کہ انکو دیکھے چل

راجہ اندر ہوا غضبناک
سے لے چشمہ آفتاب سے آب
جا پری سزا یہی کہ تو نے
پتھر کا ہو نصف جسم پائیں
بعد اسکے خاک میں سے نکلے تو
جامے میں تو آدمی کے آئے
پھر تجھ کو ملے پری کا پیکر
تو اسکو ملے وہ تجھ کو پائے
تڑپا شہزادہ سر کو دھن کے
ہلکا ہوا یہ گراں ہوئی وہ
خاکی تھا بشر زمیں جھنکائی
افتادہ کو سوچنے لگا وہ
صحرا میں بچی تھی سوگیا شل
عاشق کی طرح بکھرا ہوا تھا
دیکھا وہ بشر تو کھلکھلائیں
عاشق جس پر بکاؤلی ہے
بتلاؤ کہاں ہے وہ کہا آہ
ہے بت سی وہ ایک مٹھ کے اندر
بولا وہ کہ پھر کہا کہ مجبور
باہر ہو کہیں جامے سے وہ بیباک
تن چادر آب سے چھپایا
موجیں باہم اُڑا رہی تھیں
خس پوش سکے وہ جامۂ گل

جب خوب وہ شعلہ رو نہائیں
پوشاک دھری ہوئی نہ پائی
جھک جھک کے بدن چرائی آنکھیں
دکھلائی کسی نے چشم جادو
جھنجھلا کے کہا کہ لا اگر مانو
بولا وہ چہ خوش تم ایسی کیا ہو
پوشاک جو لینی ہو تو پہونچاؤ
عریانی کے ننگ سے بچائیں
شہزادے نے کرکے پاس انکا
پریاں ہوئیں رخصت ہیچ سے چرند
شانے پہ چڑھا کے مثل گیسو
واقف اس بتکدے سے تھیں وہ
وہ جا سے بکاؤلی بتائی
بتخانے میں تھا طلسم کا در
عقدہ کھلا شام ہو کر اسکا
دیکھا تو وہ بت کھڑی مٹھ کے اندر
تھی ناف سے لیکے تا بپا سنگ
چومے جو قدم اس آدمی نے
نرمی سے کہا بخیر گذری
ہیں تو بڑے وہاں پہ پتھر
گر پڑ کے زمیں پہ مثل شبنم
جذبہ یہ تم پاس کھینچ لایا
تا آم حسن شب فنا نے کہہ کر

باہر بصد آب و تاب آئیں
جانا کہ حریف نے اڑا لی
رک رک کے قدم بڑھاتی آئیں
چمکائی کسی نے تیغ ابرو
ہم کو بھی بکاؤلی نہ جانو
ڈرنے کا نہیں ہیں کیا بلا ہو
بولیں وہ چلو کہا قسم کھاؤ
ستار کی قسمیں سب نے کھائیں
خلعت سا دیا لباس انکا
ہو جیسے ہوا حباب میں بند
اس گل کو اڑایا صورت بو
سنگلدتب اسکو لے گئیں وہ
دیوانے کو باؤلی بتائی
ششدر ہوا چار سمت پھر کر
شق مثل قمر ہوا در اسکا
جسم آدھا پری کا تھا آدھا پتھر
تھا گو وہ سرین کے آگے پا سنگ
سینے سے لگا لیا پری نے
کس سختی سے تم بغیر گذری
تم کیونکر سنبھلے کہا مقدر
بچھڑے یوں سے گھر سے اڑ کے ہم
سختی اب دور ہو خدایا
بولی وہ پری کہ اسکے دلاور

یہ دُر مانندِ چشمِ بیخواب
ہوتا ہے سحر کو بند بیتاب

پیش از دمِ صبح تم نکل جاؤ
کل پھر سرِ شام خیر سے آؤ

مصرف کو جو ہو ضرورتِ زر
زیور مرا مجھ سے لو یہ کہہ کر

کانوں میں سے موتی کچھ نکالے
دامن پہ مثالِ اشک ڈالے

صدقے وہ بشر ہوا پری کے
قدموں پہ گرا نکل کے ڈولی سے

بالوں اُسکے چھوٹے تو رنج ہو پائے
آنسو چھوٹے کہ گھر اُٹھا لئے

نکلا جیسے ہی محل سے باہر
پتھرا اُٹھی چشمِ حلقۂ در

آنکھوں سے پرے دیکھتا ہوا پھر
آگے کو بڑھا چلا سوئے شہر

بازار میں جاکے بیچے گوہر
مفلس سے ہوا وہ صاحبِ زر

گھوڑا جوڑا نفیس حویلی
جو جو تھے چاہیے تھی سو لے لی

جب منزلِ شب میں رہرو روز
لے گوہرِ شبنم آیا پرسوز

گنبدِ گردوں کا تھا جو بے در
تاباں ہوئے اس میں ماہ و اختر

سیاروں سے کرکے استخارہ
اُس برج کے رخ وہ مہ سدھارا

دیکھا تو درِ قبول وا تھا
رگڑا انھیں ایڑیوں پہ ماتھا

شب سایۂ زلف میں بسر کی
لی صبح کے ہوتے راہ گھر کی

تقدیر نے راستہ بھلایا
راجہ کے محل کی جانب آیا

چترِ اوت اُس کی ماہ پارہ
غرفے میں سے کرتی تھی نظارہ

دیکھا تو جواں تھا ایک تصویر
صورت پہ فدا ہوئی وہ بے پیر

یاں پردہ در نظر سے گذرا
داں تیرِ نظر جگر سے گذرا

دستور تھا جسکو بیٹی چاہے
باپ اسکا اسی کے ساتھ بیاہے

راجہ سے خوش خبر بیاں کی
مشاطہ خوش ادا رواں کی

شادی کی خبر سے وہ یکایک
خوش خوش آئی کہا مبارک

اُس شہر کا چترسین راجا
دختر رکھتا ہے ماہ سیما

ہر ملک کے شہریار آ سے لئے ۔ ہر شہر کے تاجدار آ سے لئے
راضی تجھ سے ہوئی وہ بے پیر ۔ طالع قسمت نصیب تقدیر
بیجا وہ ہوا کہا کہ جا حسبا ۔ کیسی رانی کہاں کا راجا
دکھلا نہ مجھے ہرے ہرے باغ ۔ غنچے کی گرہ میں کیا ہے جز داغ
الفت میں ہے آبرو گنوانی ۔ کب چشمۂ مہر میں ہے پانی
مکار تو مجھ سے کرتی ہے زور ۔ دُر ہو مرے سامنے سے چل دور
ہٹ دیکھ کے اسکی ہٹ گئی وہ ۔ قسمت کی طرح پلٹ گئی وہ
پایا جو جواب قسمت سے ۔ آنکھوں میں لگا خیال پھرنے
تقدیر کی بات ہونے والی ۔ زر سے ہوا اسکا ہاتھ خالی
من سانپ کا ران سے نکالا ۔ بازار آیا وہ سر و بالا
کیا جوہری مول کر لے اسکا ۔ راجہ تک رفتہ رفتہ پہنچا
جو مدعیوں کا مدعا تھا ۔ مدِ نظر وہ ملا تو کیا بُرا تھا
جھنجھلا کے ڈرا کے قتل بتا کے ۔ سمجھا کے وبال کے دست پا کے
من چھین کے چوری کے بہانے ۔ بھیجا کھلے بندوں قید خانے
زنداں میں وہ نیم جان و بسمل ۔ زنجیر میں یا نون زلف میں دل
غم کھا کے لہو کے گھونٹ پینا ۔ دم کے دھاگوں سے ہونٹ سینا
دارا و عذر محبس خفا سے ۔ رانی سے کہا کسی بہانے
یوسف کی خبر لے او زلیخا ۔ زنداں میں ہے وہ عزیز مرتا
اس چاہ میں کام ہو نہ جانے ۔ یہ ماہ تمام ہو نہ جائے
دانا تھی وہ جیلخانے آئی ۔ بگڑے ہوئے کو بنانے آئی
دیکھا تو وہ سرنگوں تھا دلگیر ۔ تھی حلقہ بہ حلقہ زلف زنجیر
آنکھ اس سے نصیب ملائی اسنے ۔ زنجیر اسکی ہلائی اسنے
پابند بلا وہ مبتلا تھا ۔ کب اسکو خیال شبہ پا تھا

رانی نے جو بیدلی نگہ کی — بیڑی کٹوائی بے گنہ کی
قدموں پہ گری کہا اٹھو آؤ — انکار و گریز جانے دو آؤ
اٹھا وہ پری کی آرزو میں — یہ سمجھی کہ بہانہ تھا گفتگو میں
واں دھن کہ صنم سے کدخدا ہوں — یاں دھیان کہ بت کا پارسا ہوں
تجویز میں اپنے اپنے مفہوم — آئی تو محل میں مچ گئی دھوم
راجہ نے ستارہ داں کا بلایا — سعدین کا زائچہ ملایا
دن ڈھل کے وہ ماہ نو سر شام — غائب ہوا سیر کر کے کچھ گام
دروازے کا مڑ کے دیدہ وا تھا — توبہ کا در کھلا ہوا تھا
آیا تو وہ کب سے تکتی تھی راہ — دیکھا تو کہا کہاں رہے واہ
دیکھے جو حنائی ہاتھ بے لاگ — تلووں سے پری کے لگ گئی آگ
پوچھا کہ بن آئی کس بنی کی — کس راہ کی زن نے رہزنی کی
توفیق یہاں تلک جو لائی — مہندی پاؤں کی گھس نہ جائی
قدموں سے لگا بسا ہوا وہ — مہندی کا جو رنگ تھا کہا وہ
رانی کی وہ مہر سرگرانی — راجہ کی وہ قہر حکمرانی
من بیٹھے اپنا قید ہونا — داموں کے لیے وہ صید ہونا
چتراوت کا وہ آپ آنا — سب کہہ کے کہا خدا ہے دانا
شادی نہیں کچھ خوشی سے بانی — بے تیرے تھی مرگ زندگانی
غم تھا کہ ترے قدم سے چھوٹا — شادی کے بہانے غم سے چھوٹا
پیار کی یہ نہیں حنائی چنگال — ہاتھ ایسے ملے کہ ہو گئے لال
زنجیروں سے پاؤں میں نکالا — زلفوں پہ نہیں یہ ہاتھ ڈالا
کاٹے ڈسیں بال اگر چھپے ہوں — چھالے پڑیں گال اگر چھوئے ہوں
بگڑی وہ کہ چل بناؤ باتیں — مجھ سے کوئی سیکھے ایسی گھاتیں
میری تجھے ایسی کیا لگی تھی — تلووں سے ترے حنا لگی تھی

تنگ آیا تو دیکھ قید خانہ آسان نہیں کڑی اُٹھانا

پتھر کی اگر کہو تو میں ہوں فولاد جگر کہو تو میں ہوں

سہتی ہوں جہاں کی سختی سستی آسایش جاں نہ تندرستی

اس تنگ قفس کو سمجھی ہوں باغ سنگینی گراں نہ جلنے کا داغ

قسمت سے مفر ہے اب نہ مامن پتھر کے تلے دبا ہے دامن

کب جائیگی عقل مصلحت سنج تم تو کرو شادی ہم کریں رنج

راضی ہیں خدا کی جو رضا ہو ہوتی ہے سحر چلو ہوا ہو

وہ معتقد اسکے پاؤں چھو کر اُٹھا چھاتی پہ رکھ کے پتھر

آیا تو وہ نو عروس زیبا بستر پہ تھی تشکل نقش دیبا

نیند آئی جو تھی بصد کدورت تھی چین جبیں شکن کی صورت

سوئی تو تھی انتظار میں وہ جاگی تو ملا کنار میں وہ

سو لے جو کٹی شب جدائی سو خفتہ نصیبی اپنی جاگی

تھے صبح سے دونوں شام جویاں شب کو ہوئے داخل شبستاں

دونوں تھے تصوروں میں کامل خلوت خانہ تھا گوشۂ دل

دو آنکھوں کی طرح ایکجا تھے پر دل جو ملا نہ تھا جدا تھے

کروٹ لے کر وہ عنبریں مو اُٹھ بیٹھنے کا سوچتا تھا پہلو

چپکی ہوئی بیٹھ رہی وہ دلگیر آئینہ کی پشت پر تھی تصویر

حسرت چھائی تو کھو گئی وہ غفلت آئی تو سو گئی وہ

غافل اُسے چھوڑ کر اُٹھا یہ لپکا تو پری کے رخ گیا یہ

یہ جا کے ہوئی وہ فتنہ بیدار دیکھا تو تھا تکیہ جائے دلدار

دوری نے جو حد سے کی درازی جانا کہ کہیں ہے عشق بازی

اُس رات کو چپکی ہو رہی وہ کل سمجھونگی کہہ کے سو رہی وہ

وقت سحر اسکو پاس کے رانی ہم بستر خواب سر گرانی

خلوت خانے سے باہر آئی دربانوں کے پاس در پہ آئی

حکم ان کو دیا کہ شام کو آج جانا ہمراہ صاحب تاج

سائے کی طرح سے ساتھ رہنا جو آنکھ سے دیکھنا وہ کہنا

جسوقت چلا پری کا مانوس سایہ سے پس قدم تھے جاسوس

وہ مٹھ وہ پری مقام دیکھا وہ برج وہ سمت شام دیکھا

اک اُن میں سے رانی پاس آیا کی عرض کہ لو سراغ پایا

صورت یہ ہے جو نگاہ کی ہے اک مٹھ میں مورت اک پری ہے

آنکھوں سے اُس انجمن کو دیکھا یکجا بُت و برہمن کو دیکھا

لعل و گہر ایک دُرج میں ہے شمس و قمر ایک بُرج میں ہے

آنکھ اسکی پتنگے خوں میں ڈوبی مریخ بنی وہ ماہ خوبی

یاں اُسنے کہا وہ برج کھدواؤ واں بولی بکاولی کہ لو جاؤ

یاں سے چلے لوگ وا لئے وہ زار لپکا یہ ادھر اُدھر وہ خونخوار

توڑا وہ مٹھ حباب آسا پھوڑا جلے دل کا آبلہ سا

شہزادے کے آگئے بیچانے انعام دیا کھلے خزانے

پاس اُسکا ذرا نہیں کیا کچھ اور اُس سے کہا کہ لو سُنا کچھ

بُنیاد فنا کھدوائی جاسوسوں نے کھود کر نکالی

غائب رہتے تھے روز شب بھر اب دیکھوگے جاکے خاک پتھر

سنتے ہی وہ بیقرار لپکا دوڑا بے اختیار لپکا

دیکھا تو وہ بام ہے نہ وہ بُرج وہ لعل گراں بہا نہ وہ دُرج

شور اُسنے کیا کہ کیا یہ شر ہے آواز آئی کہ بے خبر ہے

بنیاد برافگنی کی بائی رکہ سوت مری وہ تیری رانی

کھدوایا جب اُسنے مٹھ بصد جور رہنے کو ملا نہیں مکان اور

واں ٹھوکریں کھائی سخت بے ننگ سنگست بجائے خویشتن سنگ

ہونا تھا یہی تو شکوہ کیا ہے
جا کچھ دنوں صبر کر خدا سے

حیرت زدہ چپ خموش سنسان
ٹوٹا ہوا دل بندھا ہوا دھیان

آیا تو ہنسی وہ شوخ رانی
گویا وہ ہوا بخشش بیانی

تقدیر کو گل کھلانا تھا یوں
تو خارسی بیخ کن ہوئی کیوں

دوراں کو تھا انقلاب منظور
مختار خدا ہے بندہ مجبور

اُس دن سے ہوا وہ اُس سے مانوس
راتوں کو رہے وہ شمع و فانوس

جب کام روا ہوئی وہ رانی
گذری بہزار کامرانی

پیدا ہونا بکاؤلی کا دہقان کے گھر میں اور جوان ہوکر ملنا تاج الملوک سے

نقطوں سے ہوا اب قلم کا دہقاں
صفحے کی زمیں پہ دانہ افشاں

جب مٹی کی رہی نہ بیخ و بنیاد
جیسے کہ ہو گرد باد برباد

دہقاں تھے نئی زمیں کے جویا
سرسوں کا کھیت اُنھوں نے بویا

جب چین سے کر چکے تردد
کھیتی کی ہوئی زمیں پہ واشد

دہقاں کی زوجہ کے کھلے بھاگ
کھانے لگی نوچ نوچ کے ساگ

کھاتے ہی حمل کا ڈھنگ پایا
سرسوں سا ہتھیلی پہ جم آیا

وہ بانجھ تھی جب حمل سے ہولی
سرسوں آنکھوں میں سب کی پھولی

ایام مقررہ گذر کر
پیدا ہوئی اک حسینہ دختر

صورت میں پری جمال میں حور
فلفل سی وہ ماں تھی پیش کافور

مشہور ہوئی وہ ماہ پارہ
لوگ آنے لگے پئے نظارہ

وہ منتظر ظہور نیرنگ
یعنی تاج الملوک دلتنگ

چرچا سنکر چلا کہ دیکھوں
دیکھا تو کھلا نظر میں افسوں

جانا کہ پری وہ سوختہ تن
سانچے میں پہ ڈھل کے نکلی کندن

چہرے سے پری کا ڈھنگ پایا
اندر کا وہ قول یاد آیا

دہقاں سے کہا کہ سیم و زر لے
دولت صدقے پہ پھیر دے

دہقاں نے کہا کہ میرے صاحب | یہ باتیں نہیں تمھیں مناسب
دختر جو پسندیدہ لقا ہے | بکتی نہیں لعل بے بہا ہے
پھل سے نہیں پیڑ کو سروکار | جبتک کہ ہو کام کا نہیں بار
سمجھا وہ کہ میوہ ہے ابھی خام | عورت ہو جواں تو نکلے کچھ کام
یہ سوچ کے گھر پھرا وہ دلسوز | آیا کیا اسکو دیکھنے روز
دن دن اسے ہوگیا قیامت | بوٹا سی بڑھی وہ سرو قامت
چلتی تو زمیں پہ سرو گرتے | باتیں کرتی تو پھول جھڑتے
خواہاں ہوئے ہمو قار اُسکے | دہقاں ہوئے خواستگار اُسکے
کہہ بیٹھے بزرگی اپنی دہقاں | بولا کہ ہے رب کے ہاتھ ساماں
شہزادے نے ایک دن پھر آکر | شادی کو کہا حیا اُٹھا کر
دہقاں سے کہا کہ یا شہنشاہ | تم کوہ وقار ہیں پر کاہ
صحبت ہو برابری میں زیبا | نسبت ہو برادری میں زیبا
دہقاں زادی وہ بے محابا | بول اُٹھی کبھی آن سے کہ بابا
خواہاں سے مرے نہ ہونا ناخوش | ہے دختر رز نصیب مے کش
مطلب کو سمجھ کے گھر پھرا وہ | وقت آنے کا منتظر رہا وہ
یاں تو یہ حساب کرتا تھا سن | واں لوگ ارم کے گنتے تھے دن
گذرا بارے جو عہد سختی | آئے ایام نیک بختی
دختر وہ پکڑ کے باپ کا ہاتھ | پچھواڑے مکاں کے لیگئی ساتھ
واں تھا کسی وقت کا دفینہ | دکھلا کے کہا یہ لے خزینہ
کہنا نہ کسی سے میں پری ہوں | تو کیا جانے بکاؤلی ہوں
اک آدمی زاد کی بدولت | لائی ترے گھر ہے مجھ کو قسمت
ناگاہ سمن پری لیے تخت | وارد ہوئی اور کہا کہ لے رخت
رخت اُسنے سنج کے تخت اڑایا | داماں نظر سے منہ چھپایا

چتراوت کا محل جدھر تھا سوتا جس رخ وہ سیمبر تھا
واں جا کے ہوئی وہ نور آگیں پروانے کے اپنے شمع بالیں
بیدار کیا وہ ماہ پیکر جاگا تو تھا آفتاب سر پر
اٹھا جو وہ کہہ کے آ دُہائی آواز سے چونک اٹھی وہ رانی
منہ دیکھتے ہی بکاؤلی کا سایہ اسے ہو گیا پری کا
بولی وہ بکاؤلی سیانی ہے سوت مری یہی وہ رانی
بولا وہ کہ لونڈی ہے تمھاری یہ کہہ کے اسے کہا کہ پیاری
چوٹی ہے مری تو ہاتھ ان کے چل آ کہ چلا میں ساتھ انکے
رانی نے کہا کہ گو یہ ہے غیر میں تیری ہوں تو کسی کا ہو خیر
یہ بات بکاؤلی کو بھائی شہزادے کے ساتھ اسے بھی لائی
اڑتے ہی وہ تخت سحر آگیں کیا دور تھا گلشن نگاریں
مدت کے جو بعد گھر میں آئے کھوئے ہوئے جیسے پھر سے پائے
فردوس کی بیسوا کہ وہ دلبر محمودہ دیونی کی دختر
چتراوت چترسین کی جان آرام ارم بکاؤلی جان
ان چاروں میں ایک مست بادہ پورب کا بادشاہزادہ
پانچوں سر پنجہ وفا تھے یا خمسہ مطلع صفا تھے
ہوتے ہی حواس خمسہ مجموع آمد ہوئی اقربا کی مسموع
فیروز شہ و جمیلہ دانا حسن آرا اور روح افزا
پورب کا وہ شاہ و شاہ بانو اطراف سے مملکت کے ہیں لو
جو جو آیا بلا تکلف اک قافلے سے ملا وہ یوسف
سلطانوں کی قدر دانیاں کیں مہمانوں کی میزبانیاں کیں
چندے رہا مجتمع بدو نیک رخصت ہوئے رفتہ رفتہ ایک ایک
روح افزا سے بکاؤلی کو الفت تھی رو کی دل لگی کو

رکنا ہوا اُس پری کا مشکل — یہ دل لگی اب لگائے گی دل

عاشق ہونا بہرام وزیرزادہ تاج الملوک کا روح افزا پری پر اور شادی ہونی بکاؤلی کی سعی سے اور کامیاب رہنا

جب ختم یہ داستاں آئی — یوں شاخ قلم شگوفہ لائی
روح افزا کو بکاؤلی نے — روکا جو یہاں لگی بیٹھنے
اک شب کہ وہ زلف مہ رخاں تھی — یا آتش مہر کا دُخاں تھی
وہ مست مے فسانہ گوئی — مہتابی پہ چاندنی سی سوئی
سلطاں کا وزیر زادہ بہرام — گلگشت چمن میں تھا گل اندام
لٹکی دیکھی پری کی چوٹی — ناگن سی اسکے دل پہ لوٹی
کھٹکے سے مگر بکاؤلی کے — بھاگا سائے سے اُس پری کے
جب کاکل شب سے رخ خورشید — تاباں ہوا بہر چشم امید
دیکھا تو ماہ نو کا تھا برج — رکھتا تھا دُر یگانہ وہ درج
بیتابی سے نہ کچھ قرار پایا — مجبوری میں اختیار پایا
مہتابی پہ چاندنی جب آئی — سائے نے پری پہ کی چڑھائی
اس فتنہ کے خوابگہ تک آیا — مانند سُہا وہ مہ تک آیا
تجویز رہا تھا گھات گوں کی — ناگاہ وہ مست خواب چونکی
آغوش کی موج سے وہ مضطر — مچھلی سی نکل گئی تڑپ کر
پیچھا کیے صحن تک وہ آیا — مہتاب کے پیچھے جیسے سایا
ملتی اُسے خاک وہ ہوائی — انسان کو پری نہ ہاتھ آئی
ہوتے ہی سحر وہ روح افزا — رخصت ہوئی گھر کو رکھ کے پردا
معشوق سے رہ گیا جو ناکام — تھا غم سے کنار گور بہرام
تنہا وہ کہیں پری تھی اک روز — قدموں پہ گرا کہا بصد سوز

دل سے ہوں فدا ترے روح افزا
بولی وہ ارے بشر پری ہے
شہزادے کے ڈھنگ پر تو چل
بولا وہ کہ مجھ سے اُس سے ہو راہ
واقف تھی پری کے دیس سے وہ
فردوس میں مالن ایک تھی حور
پوشیدہ گھر اُسکے لائی اُسکو
فردوس کی سیر کے بہانے
روح افزا کے لیے بنفشہ
حاجت کو ذرا گئی جو باہر
تحریر کیا کہ بے مروت
افسوس سنے مجھے تو آرزو ہو
لیکن تو زبسکہ خود نما ہے
یہ لکھ کے ہٹا تو مالن آئی
روح افزا کا سنگار کرکے
اُلٹا اُسے آئینہ دکھایا
مضمون جو پڑھا پری تھی دانا
شاطر کو دیکھ کر اکیلی
ہاتھ آ کر جو نہ پائے وہ کون
سوجھی تو نہ بوجھی وہ کہاں کل
بہرام اُس سوچ کو سمجھ کر
وہ جانتا تھا نہ اُسکو سوجھی
ہاتھ آسکے نہ پاسے جو وہ محبوبا

مرتا ہوں برائے روح افزا
روح افزا کیا بکاولی ہے
ہمتا ہے فلک نہ ہوگا بادل
شبنم کی ہے آفتاب کو چاہ
لے پہونچی زنانے بھیس کر وہ
گل چہرہ پری بنفشہ مشہور
مُنھ بولی بہن بناتی اُسکو
چھوڑا منزل پہ رہنما نے
گلدستہ بناتی تھی ہمیشہ
بہرام نے پشت آئینہ پر
آئینہ ہے مجھکو یہ میری صورت
اور آئینہ تیرے روبرو ہو
خود بینی سے جو کرے بجا ہے
گلدستہ پری کے پاس لائی
محو اُس کی ہوئی جو پیار کرکے
خط سمجھی وہ کاکلوں کا سایا
نقش عمل نگار جانا
بولی کہ بتا تو یہ پہیلی
ہو کر جو نظر نہ آئے وہ کون
کمہلا دل کی یہ کہہ کے آئی بیکل
بولا کیا ہے کہا اُٹھ کر
بولا تو بات کیا ہے بوجھی
ہوکر نہ دکھائی دے وہ محبوبا

وہ سنکے جو دوسرے دن آئی
سمجھی وہ کہ بوجھ آئی ہے یہ
بولی وہ کہ ہاں مجھے نہ سوجھی
روح افزا نے کہا کہ نادان
بولی وہ ابھی چلی ہوں لائی
اس مژدے کا منتظر ہی تھا وہ
امرد کا لباس تھا زنانا
پوچھا کہو نام کیا کہا نمک
یہ سنکے اشارے سے بٹھایا
وہ جاکے کہا یہ پردہ پوشی
بہرام ہے تو ارے وہی چور
بدبیں سمجھ کے گو رکا نام
طوق اُس کو طلسم کا پہنایا
دن بھر تو وہ فاختہ اُڑاتی
غماز تھی اک خواص اُسکی
اک دن پنجرا اُٹھا کے لائی
کھولا جو وہ بند سحر بنیاد
گستاخ جو اُس بشر کو پایا
لوگوں سے کہا ہٹاؤ اسکو
لے اُسکو لے چلے جلانے
شہزادہ بکاولی کے ہمراہ
دیکھا تو وزیر زادہ بہرام
جلنے سے پناہ دے کے اُسکو

تقدیر سُنی ہوئی سُنائی
پوچھا کس نے بتائی ہے یہ
منھ بولی بہن نے میری بوجھی
ہمراہ اُسے کیوں نہ لائی تو یاں
جاکر طلبی اُسے سُنائی
ساتھ اُسکے زنانے میں گیا وہ
دھوکا بچھ کھا گئی وہ دانا
پوچھا کہ نشان کہا دل تنگ
بادام منقش کو دکھایا
گندم کے بہانے جو فروشی
رہ تجھکو بناؤں سحر سے گور
پنجرہ اک لائی وہ گل اندام
قمری اُسے سرو نے بنایا
شب کو اُسے آدمی بنایا
ومسانتھی وقت خاص اُسکی
حُسن آرا کو وہ شکل بھائی
دیکھا تو مجسم آدمی زاد
غصّہ غضب اُس پری کو آیا
آتشکدے میں جلاؤ اُسکو
تقدیر کے سینکے کار خانے
گذرا اُسی راستے سے ناگاہ
بوتے میں تھا شکل نقرۂ خام
فردوس میں آ گئے لیکے اسکو

زندہ اُسے پا کے حسن آرا
بولی کہ یہ چور ہے ہمارا
قابل یہ جلانے کے ہے فاسق
روح افزا کا ہوا ہے عاشق
بولی وہ بکاؤلی کہ قربان
یہ کون سی فہم ہے چچی جان
پیاری کا جو اپنے ہو پیارا
کیونکر ستم اُس پہ ہو گوارا
حسن آرا نے کہا بجا ہے
تم کیوں نہ کہو کہ خود کیا ہے
بولی وہ کہ پھر عبث ہے انکار
تب عیب نہ تھا تو اب ہے کیا عار
کیا کہتی وہ دم بخود رسا کی
سوچی سمجھی رضا خدا کی
مرسوم تھے جس طرح کے انداز
شادی کا خوشی خوشی کیا ساز
دو ساز طرب سے ملے خوش آہنگ
دو راز ادب کھلے بصد ننگ
شادی جو ہوئی تو غم ہوا دور
فردوس سے گھر کو آئی وہ حور
گلزار جو اُس زمیں میں آکر
آباد ہوئی وہ یاسمن بر
حاصل ہوئی اُن گلوں کو یکبار
سیر شب زلف و صبح رخسار
جس طرح اُنھیں بہم ملایا
بچھڑے ہوئے سب ملیں خدایا

تاریخ اختتام تصنیف این کتاب از مصنف

این نامہ کہ خامہ کرد بنیاد
گلزار نسیم نام بنہاد
بشنید و نوید ہاتفے داد
توفیق قبول روزیش باد

١٢٥٤ھ

باہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پروپرائٹر
نامی پریس لکھنؤ میں چھپی
مارچ ١٩٢٣ء